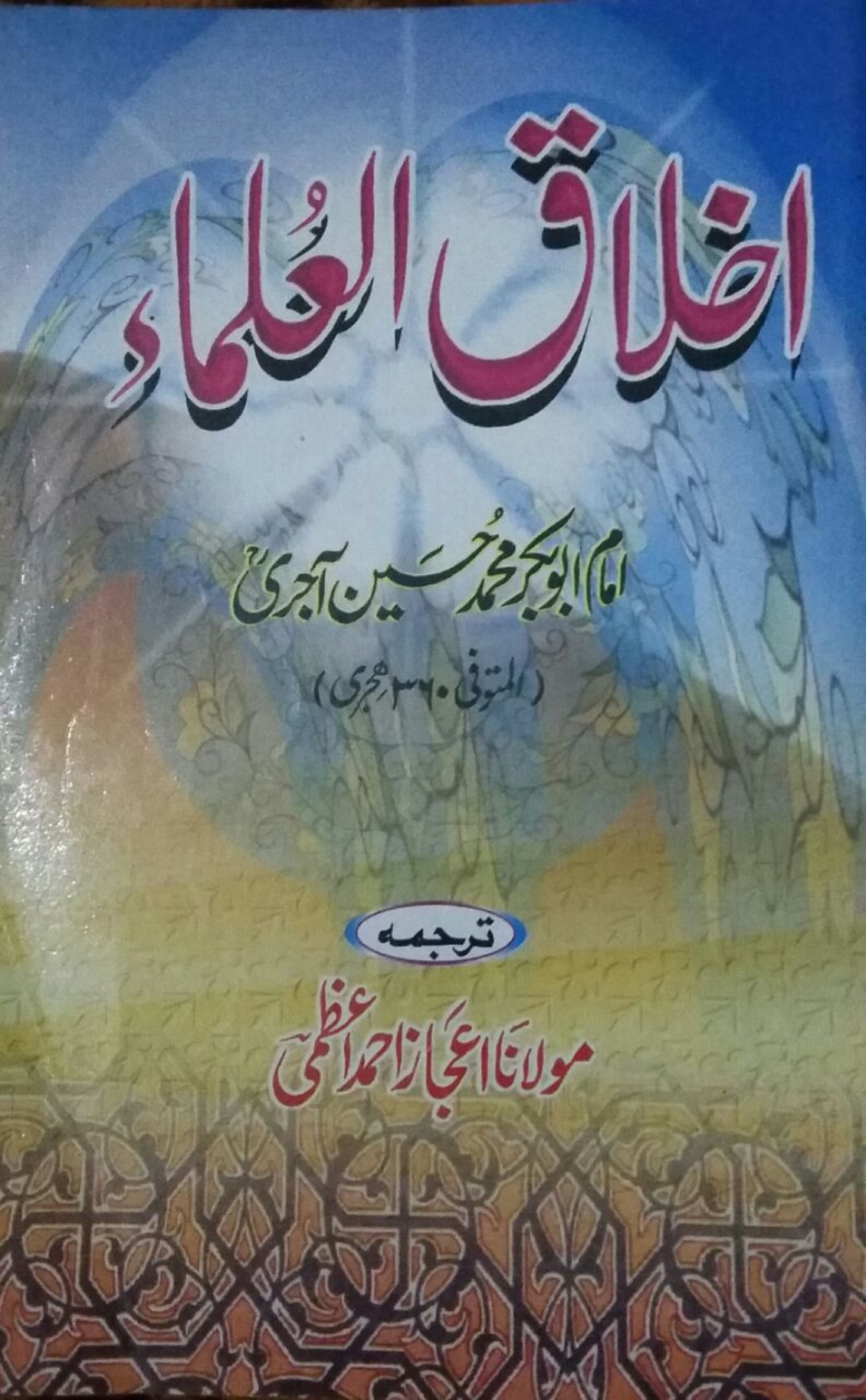

اخلاق العلماء

امام ابوبکر محمد حسین آجریؒ

(المتوفی ۳۶۰ ہجری)

ترجمہ

مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

اخلاق العلماء

امام ابوبکر محمد حسین آجری (المتوفی: ۳۶۰ھ)

مترجم

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

ناشر
فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) نئی دہلی
FARID BOOKDEPOT(Pvt)Ltd.
New Delhi-110002

تفصیلات

نام کتاب : اخلاق العلماء
مولف : امام ابوبکر محمد حسین آجریؒ
مترجم : حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
صفحات : 72
طبع اول : اگست ۲۰۰۵ء
باہتمام : ناصر خاں (منیجنگ ڈائرکٹر فرید بکڈپو)
زیر نگرانی : مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
قیمت : 20/=
ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی) 9235327576
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926
☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دارارقم، اسلام آباد (ڈکہا) جون پور 9554983430

فہرست مضامین

عرض مترجم	۵
حالاتِ مؤلف	۶
تلامذہ	۶
ائمۂ علم کی نگاہ میں	۷
اضافہ از مترجم	۷
علماء کا رتبۂ بلند	۸
احادیث و آثار میں علماء کی فضیلت	۱۳
علماء کے اوصاف و اخلاق	۲۴
حصول علم کی غرض	۲۵
علماء کے پاس حاضری کے آداب	۲۶
علماء کی صحبت کے آداب	۲۸
شہرت علم کے حقوق و آداب	۲۹
تواضع	۲۹
خدا کی رضا	۲۹
مجلس کا انداز	۳۰

سوال کرنے والوں کی رعایت	۳۰
جواب کے آداب	۳۱
آدابِ مناظرہ	۳۴
مناظرہ کا فتنہ	۳۴
مسائل مشکلہ کے حل کا طریقہ	۳۶
مباحثہ میں حدودِ انصاف	۳۶
مباحثہ سے اعراض	۳۷
مباحثہ کا مہلکہ	۳۸
عوام الناس کے ساتھ معاشرت	۴۰
خدا کے حضور میں	۴۲
اہل علم سے اللہ کے دربار میں باز پُرس	۴۸
علماءِ سوء کے اخلاق واوصاف	۵۰
علماءِ سوء کے اوصاف وعادات	۵۵
علم سے آرائش	۶۰
دوسروں کی موجودگی میں فتویٰ سے احتراز	۶۰
واقعہ سے پہلے فتویٰ سے احتراز	۶۱
لاعلمی کا اعتراف	۶۴
فکر معاش	۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

کئی برس ہوئے جب میں مدرسہ دینیہ غازی پور میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا، مدرسہ کے کتب خانہ میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''اخلاق العلماء'' امام ابوبکر محمد بن حسین آجری المتوفی ۳۶۰ھ کا نظر آیا۔ اس کا مطالعہ کیا تو بڑا مؤثر اور کار آمد محسوس ہوا۔ ہمارے علماء متقدمین میں جس درجہ کا اخلاص، یقین اور خوف آخرت تھا، اسی کے بقدر ان کی تحریریں پُر تاثیر اور انقلاب انگیز ہوتی ہیں۔ کتاب پسند آئی تو اس کا ترجمہ کر ڈالا، وہ ترجمہ عرصہ سے میری فائل میں پڑا ہوا تھا، ابتداءً اسے شائع کرنے کا خیال تھا مگر بعد میں ذہن سے یہ خیال نکل گیا۔

یہ رسالہ پہلی مرتبہ آج سے ۱۷؍سال قبل ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ میں مولانا مختار احمد صاحب اعظمی مدرس مدرسہ دینیہ غازی پور کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا اور اب ناپید ہے۔ خدا کے فضل سے اب اس کا دوسرا ایڈیشن ''فرید بکڈپو دہلی'' سے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے مؤلف، مترجم، ناشر اور قارئین، سب کے لئے نافع اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اعجاز احمد اعظمی
مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ
۱۱؍ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

حالات مؤلف

نام محمد بن حسین بن عبد اللہ آجرّی کنیت ابو بکر تقریباً ۲۸۴ھ میں ولادت ہوئی، آجرّ بغداد کے مضافات کی ایک بستی ہے، اسی کی نسبت سے آجری کہلاتے ہیں، امام آجری نے مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کی ہے، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں چند حضرات کے نام شمار کرائے ہیں، ابو مسلم کجّی، ابو شعیب حرانی، احمد بن یحییٰ الحلوانی، جعفر بن محمد فریابی، مفضل بن محمد جندی، احمد بن عمر زنجویہ القطان، قاسم بن زکریا المطرز، احمد بن الحسین بن عبد الجبار صوفی، ہارون بن یوسف بن زیاد، مزید لکھا ہے کہ ان علماء کے علاوہ اور بہت سے معاصرین سے بھی علم حاصل کیا ہے، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خلف بن عمر عکبری کو بھی ان کے اساتذہ میں شمار کیا ہے اور تقی فاسی نے العقد الثمین میں ابو خلیفہ فضل بن حباب کو بھی آجری کے مشائخ میں تحریر کیا ہے۔

زیر نظر کتاب ''اخلاق العلماء'' اور اس کے علاوہ ان کی تصنیف ''الشریعۃ'' کے مطالعہ سے اور دوسرے اساتذہ کا بھی سراغ ملتا ہے۔

تلامذہ:۔ حضرت امام ابو بکر محمد بن حسین آجری کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے، ابتداء امام موصوف نے ۳۳۰ھ سے قبل تک بغداد میں حلقۂ درس قائم فرما رکھا تھا، پھر وہاں سے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور عمر وہیں پوری کی، تدریس کی سرگرمیاں وہاں بھی جاری رہیں، ان کے تلامذہ میں علی بن بشران، عبد الملک بن بشران، علی بن احمد بن عمر المقری، محمود بن عمر عکبری، محمد بن حسین بن فضل قطان اور ابو نعیم صاحب حلیہ وغیرہ مشہور ہیں، یہ سب حضرات اقامت مکہ کے عہد کے تلامذہ ہیں، نیز ان کے

شاگردوں میں ابوالحسن حمالی اور عبدالرحمن بن عمر بن نحاس کا بھی نام آتا ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سے حجاج اور اہل اندلس نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

ائمہ علم کی نگاہ میں:۔ خطیب نے آپ کو کان ثقة صدوقا (معتبر اور سچے) سے تعبیر کیا ہے، ابن جوزی نے کان ثقة صدوقاً دیناً لکھا ہے یعنی معتبر، سچے اور دیانتدار۔ ابن خلکان کی شہادت ہے کہ کان صالحاً عابداً نیک عابد نیز فقیہ و محدث بھی لکھا ہے، حافظ ذہبی نے اپنی تین کتابوں "تذکرة الحفاظ، العلو للعلی الغفار اور العبر فی خبر من غبر" میں آپ کی مدح وستائش کی ہے، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ کان عالماً عاملاً صاحب سنّة واتباع ۔ عالم باعمل تھے، متبع سنت وشریعت بزرگ تھے نیز انہیں محدث وفقیہ بھی لکھا ہے اور "العلو" میں تحریر فرماتے ہیں کہ کان الآجرّی محدثاً اثریاً حسن التصانیف ۔ آجری متبع سلف محدث تھے ان کی تالیفات بہترین ہیں، العلو میں قوت حفظ اور زہد کی بھی تعریف کی ہے اور عبر میں کان ثقة دیناً صاحب سنة لکھا ہے نیز اس میں انہیں امام بھی لکھا ہے، حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں معتبر، صادق اور دیانتدار لکھا ہے، اور دوسرے علماء نے بھی بلند پایہ الفاظ میں آپ کی جلالت شان اور رفعت علم کی تعریف کی ہے۔

اضافہ از مترجم:۔ امام ابن خلکان فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے مجھ سے بیان کیا کہ جب امام آجری مکہ معظّمہ پہونچے تو حق تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ مجھے ایک سال تک یہاں اقامت کی توفیق عطا فرما، تو ایک فرشتہ غیبی کی آواز سنی کہ بلکہ تیس سال، پھر وہیں طرح اقامت ڈالدی اور ٹھیک تیس سال بعد یکم محرم ۳۶۰ھ میں رحلت فرمائی۔ رحمه الله رحمة واسعة۔

☆☆☆☆☆☆☆

علماء کا رتبۂ بلند

الحمد لله الّذی بنعمته تتم الصالحات وصلی الله علیٰ سیدنامحمد النبی الامی واٰله وسلم وبالله استعین وحسبی الله ونعم الوکیل

امابعد! اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق میں سے بعض کا انتخاب فرمایا اور انہیں ایمان کی ہدایت سے نوازا، پھر اہل ایمان میں سے بعض کو خصوصیت بخشی اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم سے سرفراز فرمایا، انہیں دین کی سمجھ اور سخن فہمی کا سلیقہ بخشا، انتخاب واجتباء کا یہ دستور ہر دور اور ہر زمانہ میں رہا ہے، انہیں معراج علم سے رفعت اور زیور حلم سے زینت بخشی، انہیں حضرات سے حلال وحرام میں فرق، حق وباطل میں امتیاز، مفید ومضر کی شناخت اور حسن وقبح کی پہچان ہوتی ہے، ان کی فضیلت عظیم اور ان کا رتبہ بلند ہے، انبیاء کے وارث، اولیاء کے قرۃ العین ہیں، مچھلیاں ان کے لئے پانی میں دعا گو ہیں اور فرشتے ان کے واسطے پر بچھاتے ہیں، قیامت کے دن انبیاء کے بعد علماء ہی شفاعت کریں گے، ان کی مجالس میں حکمت کے موتی لٹائے جاتے ہیں، ان کے کردار وعمل سے غافلوں کو تنبہ ہوتا ہے، یہ عبادت گذاروں سے بلند مرتبہ اور زاہدوں سے عالی مقام ہیں، ان کی زندگی غنیمت اور ان کی موت مصیبت ہے، بھولے ہوؤں کو یاد دلانا، اور نہ جاننے والوں کو بتلانا ان کا دستور ہے، ان سے کسی ضرر کا اندیشہ اور کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہے، ان کے حسن

تادیب سے اطاعت گذاروں میں سبقت اوران کے حسن موعظت سے کوتاہ دستوں میں ہمت کا داعیہ ابھرتا ہے، ساری مخلوق ان کے علم کی محتاج ہے اور باطل کے خلاف حق کی دلیل انہیں کے اقوال ہیں، ساری مخلوق کو ان کی اطاعت لازم اور ان کی نافرمانی خطرناک غلطی ہے، جس نے ان کی پیروی کی وہ ہدایت کی راہ پر رہا اور جس نے ان کی پیروی چھوڑی وہ بھٹک گیا، مسلمانوں کے بادشاہ کو اگر کسی معاملہ میں تردد ہو تو ضروری ہے کہ علماء ہی کی طرف رجوع کرے اور انہیں کی رائے پر عمل کرے، امراء کو کسی مسئلہ میں اشتباہ ہو تو انہیں کی بات فیصل اور معتمد ہوگی، قاضیوں کو کہیں مشکل معاملہ درپیش آجائے تو علماء ہی کے قول پر فیصلہ دیں گے اور اسی پر اعتماد کریں گے۔

یہ لوگ بندوں کے چراغ ،شہروں کے روشن منارے، تقویم امت کے سروسامان اور حکمت کے سرچشمے ہیں، شیطان ان سے جلتا ہے، اہل حق کے قلوب ان سے زندگی پاتے اور اہل باطل کے نفوس ان سے موت کے گھاٹ اترتے ہیں، زمین میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان میں تارے، ان کی روشنی سے بحروبر کی تاریکیوں میں رہنمائی ہوتی ہے، جب ستارہ چھپ جاتا ہے تو آدمی حیران ہوجاتا ہے اور جب اس کے نور سے تاریکی چھٹ جاتی ہے تو نگاہیں کام کرنے لگتی ہیں، اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہارے ان دعوؤں کی دلیل کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ، پھر اگر کوئی پوچھے کہ اچھا ایسی باتیں سناؤ جس سے انسان کے دل میں علم کی تڑپ اور اللہ ورسول کی مرضیات کے حصول کی رغبت جوش زن ہو تو میں گذارش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِیْلَ

اُنشُزُوْا فَانشُزُوْا يَرفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دیگا اور جب یہ کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے مؤمن سے رتبۂ بلند کا وعدہ فرمایا ہے اور علماء کو مزید درجات کی بشارت سنائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔	جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت عطا فرمائی گئی اسے بہت خیر سے نوازا گیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ۔	ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی

اور ارشاد ہے

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔	اللہ سے ڈرنے والے اسکے بندوں میں علماء ہی ہیں، اللہ تعالیٰ عزیز وغفور ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ خدا سے عالم ہی ڈرتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔	لیکن تم لوگ اللہ والے ہوجاؤ اس لئے کہ تم لوگ کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اسے پڑھتے ہو۔

اور فرمایا کہ:

لَوُلَا یَنُهَاهُمُ الرَّبَّانِیُّونَ اگر انہیں ربانی اور احبار گناہ کی بات
وَالُاَحُبَارُعَنُ قَوُلِهِمُ الُاِثُمَ۔ سے نہ روکتے۔

ربانی اور احبار سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔ اور ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلُنَامِنُهُمُ اَئِمَّةً ہم نے ان میں پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے
یَّهُدُوُنَ بِاَمُرِنَا ہدایت وارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے اور یہ
لَمَّاصَبَرُوُاوَكَانُوُا منصب انہیں اسوقت عطا ہوا جب انہوں نے
بِاٰیَاتِنَا یُوُقِنُوُنَ صبر کیا اور انہیں ہماری آیتوں کا یقین تھا۔

اور فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحُمٰنِ الَّذِیُنَ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو کہ زمین پر
یَمُشُوُنَ عَلَی الُاَرُضِ تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب
هَوُناًوَّإِذَاخَاطَبَهُمَ الُجَاهِلُوُنَ ان سے جاہل بات کرتے ہیں تو رفع
قَالُوُاسَلَاماً۔ شر کی بات کرتے ہیں۔

وَاجُعَلُنَالِلُمُتَّقِیُنَ اِمَاماً، تک اصحاب علم کی فضیلت کا بیان ہے، اس طرح کی جو صفات اور جو احوال قرآن میں مذکور ہیں، یہ علماء کے فضل وکمال کی کھلی دلیل ہیں نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق کا پیشوا اور مقتدا بنایا ہے، تاکہ ان کی اقتداء و پیروی کی جائے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یُؤُتِی الُحَکُمَةَ مَنُ یَّشَاءُ میں حکمت سے مراد علم اور فقہ ہے، انہیں کا ارشاد ہے کہ وَاٰتَیُنَاهُ حُکُماًوَّعِلُماً (ہم نے سلیمان

کو حکم اور علم عطا فرمایا) میں حکم اور علم سے مراد فقہ، عقل اور علم ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَةَ (اور ہم نے لقمان کو حکمت دی) میں بھی جو لوگ ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک حکمت کا مفہوم یہی عقل و تفقہ اور اصابت قول ہے، نیز حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو) میں اولوالامر سے مراد علماء فقہ و حدیث ہیں، حضرت مجاہد سے بھی یہی روایت ہے کہ اولو الامر علماء و فقہاء کو کہا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

احادیث وآثار میں علماء کی فضیلت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

ولفضل العالم على العابد كفضل القمرليلة البدرعلىٰ سائر الكواكب انّ العلماء ورثة الانبياء انّ الانبياء لم يورثوا ديناراًو لادرهماًإنّماورثواالعلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر۔

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے ترکہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے علم کی میراث چھوڑی ہے، جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑا حصہ پایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ماعبدالله بشئ افضل من فقه ودين ولفقيه واحداشد على الشيطان من الف عابدولكل شئ عمادوعمادالدين الفقه۔

اللہ کی عبادت دین اور علم دین سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، ایک عالم دین شیطان کے اوپر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے، ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون علم دین ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

فقیہ واحد اشد علیٰ ابلیس من الف عابد۔

ایک فقیہ (عالم دین) ابلیس کے اوپر ایک ہزار عبادت گذاروں سے بڑھ کر بھاری ہے۔

حضرت مجاہدؒ ''جو شاگرد ہیں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے'' فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ یعنی ابن عباس کے تلامذہ طاؤس، سعید بن جبیر اور عکرمہ مسجد میں حلقۂ درس میں بیٹھے تھے، ابن عباس اس وقت نماز میں مشغول تھے، اتنے میں ایک آدمی آیا، اس نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں میں کوئی صاحب مفتی ہیں؟ ہم نے کہا کہ مسئلہ پوچھو، کہنے لگا کہ میں جب بھی پیشاب سے فارغ ہوتا ہوں منی خارج ہوتی ہے، ہم نے کہا کہ وہی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اس نے کہا ہاں، ہم نے کہا تب تو تم پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ وہ یہ سن کر لوٹا، حضرت ابن عباس بعجلت نماز سے فارغ ہوئے اور عکرمہ سے کہا کہ اس آدمی کو بلالاؤ، پھر ہم سے کہنے لگے کہ تم نے یہ مسئلہ کتاب اللہ کے حوالہ سے بتایا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، فرمایا کہ اچھا حدیث کے حوالے سے؟ ہم نے پھر نفی میں جواب دیا، فرمایا اچھا تو پھر صحابۂ رسول کے حوالے سے؟ ہم نے پھر نفی میں جواب دیا، فرمایا پھر کہاں سے فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا کہ اپنے قیاس سے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اسی واسطے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ اتنے میں وہ آدمی آ گیا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ جب مادۂ منویہ خارج ہوتا ہے تو دل میں شہوت کا بھی کچھ احساس ہوتا ہے؟ کہا کہ نہیں، فرمایا بدن میں کچھ سستی اور کمزوری کا اثر آ جاتا ہے؟ کہا کہ نہیں، فرمایا کہ یہ صرف ایک رطوبت ہے، وضو کر لینا کافی ہے۔

بیشک علماء کی یہی شان ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین ۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، بالکل سچ ہے، خدا تعالیٰ نے علماء کے لئے خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا اور انہیں تفقه فی الدین اور کتاب وسنت کے علم سے آراستہ کر کے بندگان خدا کے لئے روشن قندیل اور چمکتے ہوئے منارے بنا دیئے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ إنّ مثل العلماء فی الارض کمثل نجوم السماء یهتدی بها فی ظلمات البر و البحر فاذا انطمست النجوم یوشك ان تضل الهداة ۔ علماء کی مثال زمین پر ایسی ہے جیسے ستارے آسمان پر کہ ان سے خشکی وتری کی تاریکیوں میں رہنمائی ملتی ہے، اگر ستارے معدوم ہو جائیں تو رہنما بھی بھٹک جائیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو الدرداء کو خط لکھا کہ علم کی مثال پانی کے چشمے جیسی ہے جسے لوگ گھیرے ہوئے ہیں اور ہر ایک اسے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس علم سے بہتوں کو فائدہ عطا فرماتا ہے، اور حکمت کی جو بات شرمندۂ تکلم نہ ہو وہ گویا بے روح کا ایک ڈھانچہ ہے اور جو علم لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے اس کی مثال اس خزانہ کی ہے جس کو خرچ نہیں کیا جاتا، تعلیم دینے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے اندھیری راہ میں مشعل روشن کر کے رکھدی ہو جس سے راہ چلتے کو اجالا ملتا ہے یہ دونوں ہی خیر کے داعی ہیں۔

خیال تو کرو، جس راہ میں آفات بہت ہوں، پھر اندھیری رات میں چلنے کی ضرورت پیش آئے اور کوئی روشنی نہ ہو تو کس قدر تشویشناک بات ہے لیکن اللہ عزوجل نے اس میں جگہ جگہ چراغ روشن فرمادیئے اور چلنے والے اس راہ میں چلنے لگے، پھر غور کرو اگر کسی وقت وہ سارے چراغ گل ہوجائیں تو راہگیروں کا کیا حال ہوگا، یہی حال لوگوں کے درمیان علماء کا ہے، بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ فرائض کیونکر ادا کئے جائیں، حرام چیزوں سے کیسے بچا جائے، اللہ کی عبادت کس طور پر کی جائے، ان سب امور میں علماء ہی سے رہنمائی ملتی ہے، اگر علماء سب ختم ہوجائیں تو لوگ گمراہ ہوکر رہ جائیں گے اور ان کی موت کی وجہ سے علم مٹ جائیگا اور جہالت پھیل جائیگی۔

حضرت کعب احبار کا ارشاد ہے کہ علم کے مٹ جانے سے پہلے علم حاصل کرلو، علم کا مٹنا کیا ہے؟ اہل علم کا دنیا سے گذر جانا، عالم کی موت گویا ستارے کا تاریکی میں روپوش ہوجانا ہے، عالم کی موت ایک ایسا خلا پیدا کرتی ہے جو کبھی پر نہیں ہوسکتا، میرے ماں باپ علماء پر قربان ہوں، ان سے میری ملاقات ہو تو میرے قبلۂ توجہ ہیں، اور ملاقات نہ ہو تو گم شدہ متاع، لوگوں میں جو کچھ بھلائی ہے وہ انہیں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔ إنّ اللہ عزوجل لایقبض العلم انتزاعاً إنّمایقبض العلم بقبض العلماء حتیٰ إذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤوساً جھالاً فسئلوا افافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا ۔ اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں سلب فرمائیں گے کہ سینوں سے کھینچ لیں، علم اس طرح اٹھے گا کہ علماء کو اٹھالیں گے، حتیٰ کہ جب ایک عالم بھی نہ رہ جائے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں

گے پھران سے مسائل کی تحقیق کریں گے وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے پھر خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ: إنّ اللہ لاینزع العلم من الناس بعد ان یوتیھم ایاہ ولکنہ یذھب بالعلماء فکلماذھب بعالم ذھب بمامعہ من العلم حتیٰ یبقی من لایعلم فیضلون۔ اللہ تعالیٰ علم عطا فرمانے کے بعد سینوں سے علم کو نہیں نکالتے بلکہ علماء کو ختم کردیتے ہیں، جب ایک عالم دنیا سے گذرتا ہے تو اپنے ساتھ اپنا سارا علم بھی ساتھ لے جاتا ہے پھر جاہل رہ جاتے ہیں اور وہ گمراہ ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہیں اس کا علم ہے کہ اسلام میں فتور کیسے واقع ہوگا، تلامذہ نے کہا نہیں، فرمایا! جیسے جانور کا موٹاپا رفتہ رفتہ گھٹتا رہتا ہے، جیسے کپڑا مسلسل استعمال سے گھستا رہتا ہے اور جیسے درہم ہاتھوں میں الٹتے پلٹتے گھس جاتا ہے کہیں دو عالم ہوتے ہیں ایک کی وفات ہوجاتی ہے تو وہاں کا آدھا علم رخصت ہوجاتا ہے پھر دوسرا انتقال کرجاتا ہے تو سارا ہی علم رخصت ہوجاتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کلام الحکیم حیاۃ القلوب   کوبل السماء غیاث الامم
عالم کا کلام دلوں کی زندگی ہے جیسے آسمان کی بارش انسانوں کی سیرابی کا سامان ہے۔
فنطق الحکیم جلاء الظلام   وصمت الحکیم وعاء الحکم
عالم کی گفتگو تاریکیوں کے لئے پیام رخصت اور اس کی خموشی خزانۂ علم وحکمت ہے۔

حیاۃ الحکیم جلاء القلوب   کضوء النھار یجلی الظلم

عالم کی زندگی قلوب کا نور ہے جیسے دن کی روشنی تاریکیوں کو چھانٹ دیتی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ علم حاصل کرو، خدا کے لئے علم حاصل کرنا خشیت ہے، اس کی جستجو عبادت ہے، اس کا مذاکرہ تسبیح ہے، اس کی تحقیق میں سرکھپانا جہاد ہے، طالب علم کو پڑھانا صدقہ ہے، لیاقت رکھنے والوں پر علم کو کھولدینا سامان قرب ہے، کیونکہ علم حرام وحلال کی علامت ہے، وحشت کا رفیق اور خلوت کا جلیس ہے، خوشحالی ہو یا بدحالی ہر حال میں رہنما ہے، دوستوں میں زینت اور اجنبیوں میں باعث یگانگت ہے، اس کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں، اور انہیں مخلوق کا پیشوا اور امام بنا دیتے ہیں کہ ان کے نقوش قدم کا اتباع کیا جائے اور ان کی رائے پر عمل کیا جائے، فرشتے ان کی محبت میں لپکتے ہیں کہ اپنے بازوؤں سے انہیں مس کریں، اور ہر خشک وتر چیز ان کے لئے دعا کرتی ہے یہانتک کہ دریا کی مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے اور خشکی کے درندے اور چوپائے اور آسمان اور اس کے ستارے! کیونکہ علم دلوں کی زندگی ہے، آنکھوں کی بینائی ہے، بدن کی قوت ہے، غلام اس کی وجہ سے شرفاء کا رتبہ اور ملوک کی ہم نشینی حاصل کر لیتے ہیں، اور دنیا وآخرت میں درجات عالیہ کے مالک ہوجاتے ہیں، علم میں غور وفکر کرنا روزہ کے برابر ہے، اور اس کا پڑھنا پڑھانا نماز کے مساوی، اسی سے اللہ عزوجل کی طاعت وعبادت اور قرابت مندوں سے حسن سلوک ہوتا ہے، اسی سے حلال وحرام کی شناخت ہوتی ہے، علم عمل کا امام ہے، اور عمل اس کا مقتدی اور پیرو ہے، اہل سعادت کو علم الہام ہوتا ہے اور اہل شقاوت اس دولت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

انه ليستغفرللعالم كل	عالم کے لئے ہر چیز یہاں تک کہ
شئی حتی الحيتان فی	سمندر کی گہرائی میں مچھلیاں بھی دعا
جوف البحر۔	کرتی ہیں۔

حضرت ابوالدرداء ہی کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

ماسلك عبد طريقاً يقتبس فيه علما الاسلك به طريقا الی الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضی عنه وانه ليستغفر للعالم من فی السمٰوات ومن فی الارض حتی الحيتان فی البحر۔

بندہ جب علم کی جستجو میں کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو درحقیقت وہ جنت کے ایک راستے پر چل پڑتا ہے، فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اس کے لئے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمینی و آسمانی تمام مخلوق یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی دعاء مغفرت کرتی ہیں۔

حضرت صفوان بن عسال مرادی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں حصول علم کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا:

مرحبا یا طالب العلم ان طالب العلم لتحفه الملائكة وتظله باجنحتها ثم يركب بعضهم بعضا حتیٰ يبلغوا اسماء

الدنیامن حبھم لمایطلب۔

خوش آمدید اے طالب علم! طالب علم کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اس پر اپنے پروں کا سایہ کرتے ہیں، پھر اتنے جمع ہو جاتے ہیں کہ آسمان تک پر ا بندھ جاتا ہے، اور وہ ایسا اس کے طلب علم سے خوش ہو کر کرتے ہیں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

مامن رجل خرج من بیته لیطلب العلم الاوضعت له الملائکة اجنحتهارضی لمایصنع۔

جب کوئی آدمی علم کی طلب میں گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس سے خوش ہو کر اپنے پروں کو اس کے واسطے بچھا دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

من سلك طريقايطلب فيه علماسهل اللّٰه له طريقاالى الجنة۔

جو علم کی طلب میں نکلا اس کیلئے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ سہل کر دیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

من خرج فى طلب العلم فهوفى سبيل الله حتىٰ يرجع ۔

جو شخص علم کی تلاش میں نکلا وہ لوٹنے کے وقت تک اللہ کی راہ میں ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

يشفع يوم القيامة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء۔

قیامت کے دن سب سے پہلے انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔

حضرت حسن بصری نے ارشاد فرمایا کہ اس دعاء ''ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة '' (اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما) میں دنیا کی بھلائی علم اور عبادت ہے اور آخرت کی بھلائی جنت ہے۔

بہر کیف علماء کے لئے ہر حالت میں ایک زبردست فضل وکرم ہے، خواہ وہ علم کی جستجو میں سفر کررہے ہوں یا علم کی مجلس میں بیٹھے ہوں یا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر علمی مذاکرہ کررہے ہوں، جو لوگ ان سے علم حاصل کرتے ہیں انہیں بھی فضیلت حاصل ہے، اور جن لوگوں سے انہوں نے علم حاصل کیا ہے ان کی بھی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے لئے مختلف حیثیتوں سے فضل وکمال اور فضائل ومحامد جمع کردیئے ہیں۔

ابوامامہ باہلی ؓ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

عليكم بالعلم قبل ان يقبض وقبل ان يرفع۔

علم کو اس کے اٹھ جانے اور ختم ہوجانے سے پہلے حاصل کرلو۔

پھر آپ نے ہاتھ کی دو انگلیوں کو ملا کر ارشاد فرمایا:

العالم والمتعلم شريكان فى الاجر ولا خير فى سائر الناس بعد۔

عالم اور طالب علم دونوں اجر میں شریک ہیں، ان دونوں کے علاوہ کسی میں خیر نہیں ہے۔

حضرت ابوالدرداء ؓ فرماتے ہیں کہ عالم اور طالب علم اجر وثواب میں برابر ہیں، باقی لوگ بے کار ہیں، ان میں کچھ خیر نہیں ہے۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اربعة تجرى عليهم اجورهم بعد الموت المرابط فى

سبیل اللہ ومن علم علماً اجری له ماعمل به ورجل تصدق بصدقة فاجره یجری ماجرت ورجل ترك اولاداً صغاراً فهم یدعون له ۔ چار آدمی ایسے ہیں کہ ان کا اجر مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، اللہ کی راہ میں سرحدوں کی نگہبانی کرنے والا، وہ شخص جس نے علم سکھایا تو جب تک اس پر عمل ہوتا رہے گا اس کا اجر بڑھتا رہے گا، اور وہ شخص جس نے صدقہ کیا پھر جب تک وہ صدقہ چلتا رہے، اور ایک وہ جس نے اولاد چھوڑی اور وہ مرنے کے بعد اس کیلئے دعا کرتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم سیکھنے والا اور علم سکھانے والا دونوں کیلئے دنیا کی ہر چیز دعا کرتی ہے، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی، عبداللہ بن مسعود ؓ کا ارشاد ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گذار، پوری ایک امت تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! ''امة قانت ''تو حضرت ابراہیم ؑ تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ ہم معاذ کو حضرت ابراہیم ؑ کے مشابہ سمجھتے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ ''قانت'' کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کا اطاعت گذار، حضرت حسن بصری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان من الصدقة ان تتعلم ثم تعلمه ابتغاء وجه الله عزوجل ۔ یہ بھی صدقہ ہے کہ تم علم حاصل کرو اور اللہ کے واسطے دوسروں کو علم سکھاؤ۔

یہ ہم نے اختصار واجمال کے ساتھ علماء کی خصوصیات وامتیازات کا ذکر کر دیا ہے، اگر آدمی اتنے ہی پر غور کرلے تو علم اور علماء کی اہمیت وعظمت کا اسے احساس ہوجائے گا اور اپنے اندر طلب علم کا نیا شوق وجذبہ بیدار ہوتا ہوا محسوس کرے

گا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر وہ شخص جس نے طلب علم کی راہ اختیار کی، علم سیکھا اور اسے محفوظ رکھا، اس کی بحث و تحقیق میں لگا رہا، کیا وہ ان فضائل و محامد کی برکات میں داخل ہوگا؟ اس کا عام جواب تو یہی ہے کہ جو بھی طلب علم اور تلاش خیر میں مشغول ہو، خدا کی ذات سے امید ہے کہ اسے علماء کے فضائل ومناقب سے محروم نہ فرمائیں گے، تاہم علماء کے کچھ مخصوص اوصاف واخلاق ہیں ہم انہیں یہاں لکھے دیتے ہیں، ہر صاحب علم اور ہر طالب علم ان پر غور کرلے، اگر وہ ان صفات واحوال کو اپنے اندر پاتا ہے تو خدا کا شکر ادا کرے اور اگر خود کو ان صفات عالیہ سے خالی محسوس کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ علم اس کے خلاف حجت بن رہا ہے تو اللہ سے معافی چاہے اور فوراً حق کی جانب رجوع کرے اللہ توفیق دینے والے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

علماء کے اوصاف واخلاق

علماء حق کے کچھ احوال وصفات ہیں جنہیں ہر وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس کی ایک مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) طلب علم میں اس کی نیت کیا ہونی چاہئے، کس لئے وہ علم کی تحصیل کرے۔

(۲) علم کا ایک وافر حصہ جب اسے حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہو جائے تو پھر اس کے ذمہ کیا حقوق عائد ہوتے ہیں۔

(۳) علماء کے ساتھ مجالست وہم نشینی کس طور پر ہونی چاہئے۔

(۴) جن علماء سے علم حاصل کر رہا ہے ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے اور طلبۂ علم کے ساتھ اس کا کیا سلوک ہونا چاہئے۔

(۵) اگر علم کے باب میں مناظرے کی نوبت آجائے تو کیا طرز عمل ہونا چاہئے۔

(۶) اگر مسند افتاء پر فائز ہو جائے تو اس کے حقوق وآداب کیا ہیں؟

(۷) امراء وحکام کی مجالس میں جانا پڑے تو کیا کرنا چاہئے؟ نیز یہ کہ کن لوگوں کی مصاحبت مفید ہوگی اور کن کی مضر۔

(۸) عوام الناس اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ تعلق کس طریقہ کا ہونا چاہئے۔

(۹) پھر اس کا معاملہ اپنے پروردگار کے ساتھ کس طرح ہونا چاہیئے، اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا کی عبادت کیوں کر ہو، ہر ایک حق کو اس طرح ترتیب دے کہ خدا کے حق میں کوئی کوتاہی نہ ہو، بلکہ اسے فوقیت حاصل رہے نیز ہر موقع پر ایسا طرز عمل

اختیار کرے کہ اپنے دین کو شرور وفتن سے محفوظ رکھ سکے، اسے اتنا قابو ہونا چاہئے کہ طاعت پر جما اور آفات سے بچا رہ سکے، نیز اخلاق عالیہ سے متصف اور اخلاق ردیئہ سے محترز رہ سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حصول علم کی غرض

تحصیل علم کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اوپر اپنی عبادت فرض فرمائی ہے اور عبادت بغیر علم کے نہیں ہوسکتی، اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حصول اس کے ذمہ ایک فریضہ ہے پھر اسے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ مومن کو جاہل رہنا ٹھیک نہیں ہے علم اس غرض سے حاصل کرے کہ اسے اپنی جہالت دور کرنی ہے اور اس لئے کہ اللہ عزوجل کی عبادت اس کے حکم کے مطابق کر سکے، یہ نہیں کہ اپنی مرضی سے جیسی چاہا عبادت کر ڈالی، طالب علم کی نیت یہی ہونی چاہیئے، اخلاص پیدا کرنے کی پوری کوشش کرے اور اپنا کمال کچھ نہ سمجھے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے تحصیل علم کی توفیق بخشی کہ اس کی مدد سے فرائض کی ادائیگی اور ناجائز امور سے اجتناب ممکن ہو سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆

علماء کے پاس حاضری کے آداب

سچا طالب علم علماء کی خدمت میں تواضع وحلم اور وقار وسلیقہ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور جتنی رعایت آداب کی ممکن ہو، کرتا ہے، اور اعمال خیر میں کوتاہی نہیں کرتا، کبھی اسے خلوت وتنہائی پسند آتی ہے تو اس میں کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہے، اللہ کا ذکر کرتا ہے، اپنے اوپر خدا کے احسانات کو یاد کرتا ہے اور اپنے نفس سے شکرگزاری کا مطالبہ کرتا ہے، اور اپنے کان، نگاہ، زبان اور نفس کی برائیوں سے خدا کی پناہ چاہتا ہے، اور اگر لوگوں کی صحبت میں رہنا ضروری ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے جن سے اسے فائدہ حاصل ہو، ایسے لوگ تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ آدمی جو اس سے کم علم رکھتا ہو، اور اس سے علم حاصل کرنا چاہتا ہو۔ دوسرے وہ شخص جو علم میں اس کے مساوی ہو، اس کی صحبت اس لئے کہ ضروری علوم کا مذاکرہ وتکرار ہو سکے تاکہ علم اچھی طرح دل ودماغ میں محفوظ ہو جائے۔ تیسرے وہ شخص جو علم میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے اور محض خدا کے واسطے تعلیم دے رہا ہے، اس کی صحبت حصول علم کی غرض سے بس انھیں تین قسم کے افراد سے تعلق اور مصاحبت رکھنی چاہئے۔ ان کی صحبت سے گھبرانا نہیں چاہئے، کیونکہ ان لوگوں سے بہت کچھ نفع کے حصول کی توقع ہے، ان چیزوں میں خود کو مشغول رکھ کر پھر ہر وقت ڈرتے بھی رہنا چاہئے کہ نفس کبھی لایعنی اور ناحق امور میں مبتلا نہ کر دے بالخصوص اپنے ازلی دشمن شیطان سے بہت اندیشہ رکھنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قباحتوں کو مزین اور خوبصورت بنا کر پیش کرنے لگ جائے۔

طالب علم کو چاہئے کہ اللہ سے علم نافع کا سوال کرتا رہے اور غیر نافع علم سے خدا کی پناہ چاہے، تلاوت کلام اللہ میں اس کی کوشش کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اوامر ونواہی کو اچھی طرح سمجھ لے اور حدیث وسنت اور آثار صحابہ کو بھی حفظ کرے تاکہ احکام کا حق ادا کر سکے، علم کے آداب کو پورے طور پر ملحوظ رکھے، لایعنی امور سے سکوت اختیار کرے، ایسا سکوت کہ اس کے رفقاء اس کے تکلم کے مشتاق ہو جائیں، اگر اس کے علم میں اضافہ ہو تو اسے ڈر ہو کہ اللہ کی حجت اس پر قائم ہو رہی ہے، جتنا جتنا اس کا علم بڑھتا جائے اتنا ہی اس کے خوف وخشیت میں بھی اضافہ ہو، اگر کوئی خاص علم دوسرے کو حاصل ہو اور اسے حاصل نہ ہو سکا، اور اس کے باعث اسے اپنے دل میں رنج وغم کا احساس ہو تو اسے چاہئے کہ اس رنجیدگی میں غفلت نہ برتے اور اپنے نفس سے مواخذہ ومحاسبہ کرے کہ تجھے یہ رنج کیوں ہو رہا ہے؟ اے نفس خبردار! اس سے ڈرو کہیں یہ حزن وملال تمہارے اوپر وبال نہ بن جائے، تجھے رنج ہی کرنا ہے تو ان علوم پر رنج کر جنھیں تو حاصل کر چکا ہے اور تیرے اوپر خدا کی حجت قائم ہو چکی ہے، لیکن تو اس پر عمل نہیں کرتا، اس پر اگر تمہیں ملال ہو تو یہ اس سے بہتر ہے، کہ ایک اور علم تمہیں حاصل نہیں ہو سکا، اور دوسرے کو اسے حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ کیا پتہ اگر تمہیں وہ علم حاصل ہو جاتا تو شاید اس پر بھی عمل نہ کرتے اور خدا کی حجت تمہارے اوپر اور مؤکد ہو جاتی۔ اس انداز سے سوچو اور خدا سے معافی چاہتے ہوئے یہ درخواست کرو کہ جتنا علم تمہیں حاصل ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اس کا نفع تمہیں عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

علماء کی صحبت کے آداب

علماء کی صحبت میں اگر کوئی رہنا چاہتا ہے تو چند باتوں کا بطورِ خاص خیال رکھنا چاہئے، ان کی صحبت میں ادب اور دلی تواضع کے ساتھ بیٹھے، ان کے سامنے اپنی آواز پست رکھے، چھوٹا بن کر ان سے باتیں دریافت کرے اور زیادہ تر سوال طاعت وعبادت کے علم کے متعلق ہونا چاہئے، ان سے یہ بھی بتادے کہ جن باتوں کو دریافت کررہا ہے، ان کی اسے ضرورت ہے، اور جب ان سے معلومات حاصل کرلے تو انھیں امتنان وتشکر کے ساتھ یہ بھی بتادے کہ مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا، اگر وہ کسی بات پر خفا ہوں تو اس پر خفگی کا اثر نہ ہو، البتہ اس پر غور کرے کہ کس سبب سے یہ ناراض ہوئے ہیں، اس کا تدارک کرے اور ان سے معافی مانگ لے، سوالات کر کر کے انھیں تنگ نہ کرے، ان کے ساتھ آسان اور سہل معاملہ برتے، ان کے ساتھ بحث کا ایسا انداز نہ اختیار کرے کہ اسی کا علم ان سے زائد معلوم ہو، طالب علم کا عزم وحوصلہ یہ ہونا چاہیئے کہ تواضع وادب کے ساتھ ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھالے، علماء سے نہ لڑے، بیوقوفوں سے نہ الجھے، اور علماء کے ساتھ رفق ومتانت کا سلوک کرے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دین کی فہم عطا فرماویں۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہرت علم کے حقوق وآداب

تواضع:

اللہ تعالیٰ جب عالم کو شہرت ونا موری بخشیں اور مسلمانوں میں عالم کی حیثیت سے اس کا تعارف ہوجائے اور لوگ اپنی علمی ضروریات اس کے پاس لانے لگیں تو اس کا فریضہ ہے کہ خواندہ وناخواندہ ہر ایک کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرے، اگر کوئی شخص علم میں اس کے ہم پایہ ہو تو اس کے سامنے تواضع وفروتنی اس لئے ضروری ہے کہ ملنے کا یہ انداز اس کے دل میں محبت وتعلق کا تخم بودے گا، پھر اس طرح کے لوگ اس کے پاس آنا اور بیٹھنا پسند کریں گے، یہ موجود نہ ہوگا تو اس کی ملاقات کے لئے بیتاب ہوں گے۔ اپنے سے بڑے علماء کے ساتھ تواضع اس لئے ضروری ہے کہ علم یہی ادب سکھلاتا ہے اور اپنے سے کم علم لوگوں سے بھی تواضع ہی کا برتاؤ کرے کیونکہ علم کی فضیلت اور مرتبہ خدا کے نزدیک بھی اور بندوں کے نزدیک بھی اسی تواضع کی وجہ سے ہے۔

خدا کی رضا:

ایسے عالم کو اپنے علم، اپنے صدق، اپنے حسن نیت، ہر حال میں خدا کی رضا پر ہی نگاہ رکھنی چاہئے، اپنے علم کو زینہ بنا کر بادشاہوں کے دربار تک چڑھنے کی کوشش بالکل نہ کرے، نہ اپنے علم کو ان کے پاس لے کر جائے، علم کو نااہلوں سے بچائے اور

اس پر کوئی اجرت اور معاوضہ نہ قبول کرے، علم کو ضروریاتِ دنیوی پورا کرنے کا ذریعہ نہ بنائے، ایسا ہرگز نہ ہو کہ دنیاداروں کا قرب اختیار کرے اور فقراء سے دور بھاگے، لیکن یہ بھی نہ ہو کہ دنیاداروں سے بالکل ہی کنارہ کشی اختیار کر لے، فقراء اور نیکوکاروں سے جھک کر ملے تاکہ وہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

مجلس کا انداز:

اور اگر اس نے کسی علمی مجلس کا اہتمام کر رکھا ہو تو شرکاءِ مجلس کے ساتھ حسن مدارات کے ساتھ پیش آئے، سوال کرنے والوں سے نرم برتاؤ کرے، اور اہل مجلس کے ساتھ حسن اخلاق اختیار کرے اور بدخلقی سے پرہیز کرے۔ شرکاءِ مجلس میں جو لوگ کند ذہن ہوں ان کے حق میں صبر سے کام لے تاکہ وہ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، اگر کوئی گستاخی کرے تو اسے نرمی سے برداشت کرے، اہل مجلس کو اچھے آداب و اخلاق کا خوگر بنائے، انھیں لایعنی مشغولیات میں مبتلا ہونے سے بچائے اور جو کچھ علمی فیضان کر رہا ہے اس کی جانب انھیں متوجہ کرتا رہے اور انھیں پابند بنائے کہ خاموشی کے ساتھ اس کا کلام سنیں اور اگر کسی سے علماء کی شان کے خلاف کسی عمل یا اخلاق کا صدور ہو تو اس کو محض خاموش کرنے اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے زجر و توبیخ نہ کرے بلکہ اسے نرمی اور آہستگی سے سمجھا دے کہ اس طرح عمل کا اہل علم کی شان سے گرا ہوا ہے، اہل علم کو اس سے دور رہنا چاہئے، اس طرح سمجھائے کہ بات اس کے دل میں گھر کر جائے اور محض اس کی نرمی و ملاطفت کی وجہ سے وہ اس عمل کے ترک پر آمادہ ہو جائے۔

سوال کرنے والوں کی رعایت:

اگر کوئی شخص لایعنی اور بے کار سوال کرے تو اسے روک دے اور بتائے کہ

کام کی باتیں پوچھا کرو، اگر دیکھے کہ جس علم کی انھیں ضرورت ہے اس سے غفلت برت رہے ہیں تو اسے ظاہر کردے اور انھیں سمجھائے کہ اس علم کے وہ کس درجہ محتاج ہیں، پوچھنے والے کو ہرگز نہ جھڑکے، اس سے خوامخواہ اس کی رُسوائی ہوگی، اور نہ سختی کے ساتھ اسے روکے، اس سے عالم کی وقعت اس کے دل سے نکل جائے گی، لیکن اسے سوال پورا کرنے کی اجازت دے تاکہ اس کا مطلب بخوبی سمجھ سکے اور اسے ان علوم ضروریہ کی ترغیب دے جن کا تعلق فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کے ساتھ ہے، ایسا شخص جس کے سوال کا مقصد یہ معلوم ہو کہ وہ اس علم کا محتاج ہے اور اس پر اسے عمل پیرا ہونا ہے، اس پر پوری توجہ کرے، اور اگر یہ محسوس ہو کہ اس کے سوال کا مقصد محض بحث اور مناظرہ ہے تو اس سے اعراض کرے، جن کوتاہیوں اور نقصانات کو وہ دور سمجھ رہے ہوں حکمت ودانائی سے ان کا قریب ہونا ظاہر کرے، گستاخ کے سامنے حلم ومتانت اختیار کرکے خاموشی کو ترجیح دے، اور خیرخواہی کے ساتھ علم وحکمت کا فیضان کرتا رہے، اہل مجلس کے حق میں اس طرح کے اخلاق وآداب کی رعایت کرے۔

جواب کے آداب:

اور جو لوگ اس سے علم اور مسائل کی تحقیق کرنا چاہتے ہوں اس کے متعلق یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اس کے پاس علم ہو تو جواب دے اور اس کا اصول یہ ہے کہ جواب قرآن وسنت سے ہو یا اجماع سے، اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں اہل علم کا اختلاف ہے تو پوری کاوش سے دیکھے کہ کون سا قول کتاب وسنت اور اجماع سے قریب تر ہے، اس پر فتویٰ دے، اور بحث وتحقیق میں اقوالِ صحابہ اور ان کے بعد کے

فقہاء کے اقوال سے باہر نہ نکلے۔ اگر اس کی تحقیق کسی صحابی یا کسی امام کے قول کے موافق ہے تو اسی کو اختیار کرے، اور اگر اس کی تحقیق اقوال صحابہ اور اقوال الائمہ کے دائرہ سے باہر نکل رہی ہے تو ہرگز اسے اختیار نہ کرے، اپنی رائے کو ناقص سمجھے، اور اگر اس سے بڑا کوئی عالم موجود ہے تو اس سے دریافت کرے تاکہ حق اس پر واضح ہو اور خدا سے بھی دعا کرتا رہے کہ وہی خیر وحق کی توفیق عنایت فرمائیں۔

اگر سوال ایسا ہے جس کا جواب معلوم نہ ہو تو اپنی لاعلمی کے اظہار میں قطعاً نہ شرمائے اور اگر مسئلہ ایسا ہو کہ اس کے اظہار سے لوگوں میں خوامخواہ ہیجان اور شور و شغب ہوگا تو اس کے بتانے سے معذرت کرے، اور نرمی و مہربانی کے ساتھ اس سے بہتر کی جانب متوجہ کردے، اگر کسی مسئلہ میں فتویٰ دینے کے بعد معلوم ہو کہ اس سے غلطی ہوئی تو اس سے رجوع کرلے، اگر اس نے کوئی بات کہی پھر دوسرے کسی عالم نے اس کی تردید کی، خواہ تردید کرنے والا اس سے بڑا ہو یا اس کے ہم رتبہ یا اس سے کم درجہ، ہر صورت میں اگر اس پر واضح ہوجائے کہ حق بات وہی ہے جو دوسرے نے کہی تو بلا تأمل مان لے، اور اس کا شکر گزار ہو اور اس کا بہتر بدلہ دے۔

اگر اس سے ایسا کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا جس میں قول فیصل کی وہ تعیین نہیں کر پا رہا ہے، تو بے تکلف کہہ دے کہ کسی اور سے معلوم کرلو۔ جس مسئلہ میں تردد ہو، اس کے جواب میں خوامخواہ تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ مسائل بدعیہ سے سخت احتراز کرے، اہل بدعت کی بات ہرگز نہ سنے، نہ اہل بدعت کی مجالست اختیار کرے اور ان سے بحث و مباحثہ بھی نہ کرے، اصل علم کتاب وسنت، طریقۂ صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ ہیں، اتباع کا حکم دے اور ابتداع سے منع کرے، علماء سے بحث وجدال نہ کرے

اور نہ بیوقوفوں سے الجھے، تلاوتِ کلام اللہ اس نیت سے کرے کہ اللہ کی مرضی پا سکے، اور سنت میں اشتغال اس لئے رکھے کہ اللہ کے حقوق و آداب ضائع نہ ہونے پائیں، اور عبادتِ الٰہی کے طریقے معلوم ہوتے رہیں۔ غافلوں کو نصیحت کرے، جاہلوں کو علم سکھائے، حکمت کی بخشش، جو اس کے اہل ہوں ان پر کرے، اور نااہلوں سے اسے محفوظ رکھے، ایسے عالم کی مثال طبیب جیسی ہے، طبیب جانتا ہے کہ دوا کس موقع پر فائدہ کرے گی۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علمی شہرت عطا فرمائی ہو، انھیں اس جیسے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ کا حامل ہونا چاہئے، جس قدر اس کے علم میں اضافہ ہو اس کی تواضع وخشیت بڑھتی رہے، سر بلندی کا طالب محض خدا سے ہو، پھر علم کی وجہ سے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں ان کے متعلق شدت کے ساتھ خدا سے ڈرتا بھی رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

آداب مناظرہ

عالم جسے اللہ تعالیٰ نے دینی تفقہ اور علم نافع کی دولت سے نوازا ہے، اس کی ایک عمدہ صفت یہ بھی ہے کہ اپنے علم کی وجہ سے نہ کسی سے جھگڑتا ہے نہ الجھتا ہے اور نہ دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، بجز اس کے کہ کسی موقع پر ایسا کرنا ضروری ہوجائے، کیونکہ کبھی کبھی کسی گمراہ، بددین سے مناظرہ ومجادلہ کی نوبت بھی آجاتی ہے، اس وقت ضروری ہوجاتا ہے کہ عالم ربّانی اپنے صحیح علم سے گمراہ کی گمراہی کو ٹھکانے لگادے، تاکہ عام اہل اسلام اس کی گمراہی سے بچے رہیں، لیکن ایسی نوبت اضطراراً آتی ہے، وہ اپنے اختیار سے ایسے مواقع نہیں ڈھونڈھتا۔ عقل مند عالم کی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ خواہش پرستوں سے دور ہی رہے اور ان سے الجھاؤ کا سامان ہرگز نہ کرے، ہاں جہاں علم وفقہ اور احکام ومسائل کی بات ہو، ایسی مجالس کو اختیار کرے۔

مناظرہ کا فتنہ:

یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہو تو اس کی تحقیق اور فیصلہ کن صورت واضح کرنے کے لئے علماء سے بحث وتمحیص اور مناظرہ کی ضرورت پڑسکتی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو علم میں پختگی کیسے آئے گی؟ اس کے جواب میں یہ بات قابل غور ہے کہ اسی راستے اور اسی دلیل سے دشمن (شیطان) انسانی طبیعت میں راہ بھی پاسکتا ہے، پھر نفس سمجھائے گا کہ اگر تم

مناظرہ ومجادلہ کی روش نہ اختیار کرو گے تو تفقہ میں کمی رہ جائے گی، اس کا انجام بالآخر یہ ہوگا کہ انسان مناظرہ ومجادلہ میں ایک حد پر قائم تو رہ نہیں پاتا، وہ لڑائی جھگڑے میں پڑ جائے گا جس کے برے نتیجہ سے رسول اللہ ﷺ اور ائمہ مسلمین نے بہت کچھ تحذیر کی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ:

من ترك المراء وهو صادق بنى الله له بيتاً فى وسط الجنة۔

جو شخص برحق اور سچا ہونے کے باوجود نزاع ترک کردے، اس کیلئے اللہ تعالیٰ وسطِ جنت میں گھر بنائیں گے۔

حضرت مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ خبردار نزاع وجدال سے بہت اجتناب کرنا، نزاع کی حالت عالم کی جہالت کا وقت ہے، اسی کے واسطے سے شیطان اس کی لغزشیں ڈھونڈتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کوئی فقیہ ایسا نہیں دیکھا جو جھگڑتا ہو، وہی فرماتے ہیں کہ مومن دلجوئی کرتا ہے، لڑائی نہیں کرتا، علوم الٰہی کی نشر واشاعت کرتا ہے، اگر اس کی باتوں کو قبولیت حاصل ہو تو شکر بجالاتا ہے اور اگر نہ قبولیت ہو جب بھی خدا کی حمد وثنا کرتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ کا ارشاد ہے کہ تم کو کسی بھائی سے محبت ہو تو اس سے لڑائی نہ کرو، نہ اس سے اُلجھو اور نہ اس سے مزاح کرو۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ آپس کے مباحثوں سے عموماً دوستوں کے دلوں میں تغیر آجاتا ہے، محبت کے بعد تفرقہ پڑ جاتا ہے، اور اُنس کے بعد آدمی وحشت کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوامامہ ؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

ما ضل قومٌ بعد هدىً ہدایت کے بعد جب کوئی قوم گمراہی
کانوا علیہ إلاّ أوتوا کا شکار ہوتی ہے مباحثوں اور جدال
الجدل۔ کا شکار ہو جاتی ہے۔

مومن ہمیشہ اپنے دین کے باب میں نزاع اور جدل سے ڈرتا ہے۔

مسائل مشکلہ کے حل کا طریقہ:

اس پر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کسی مشکل مسئلہ میں اگر حق واضح نہ ہوتا ہو تو آدمی پھر کیا کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی اگر کوئی مشکل مسئلہ حل کرنا چاہے تو پہلے اسے کوئی ایسا عالم تلاش کرنا چاہئے جس کا مقصود اپنے علم سے محض رضاء الٰہی ہو اور جس کے علم و عقل اور فہم و تفقہ پر اسے اعتماد ہو، پھر جب ایسا عالم مل جائے تو اس سے علمی مذاکرہ کرے اور مذاکرہ بھی حصول فائدہ کی غرض سے، اور اسے بتلا بھی دے کہ میرا آپ سے یہ مباحثہ اس لئے نہیں ہے کہ آپ پر غلبہ حاصل کروں، پھر اس مباحثہ میں انصاف کی حدود کو پورے طور پر ملحوظ رکھے۔

مباحثہ میں حدودِ انصاف:

حدودِ انصاف کی تفصیل یہ ہے کہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ اپنے مناظر کی زبان سے حق بات کا ظاہر ہونا اس کو پسند ہو، اور یہ ہرگز نہ سوچے کہ اس کے منہ سے خلافِ حق کوئی بات نکل جائے تا کہ میں اس کی گرفت کر سکوں، جیسا کہ وہ اپنے حق میں چاہتا ہے کہ میری زبان سے محض حق نکلے اور باطل کا ظہور نہ ہو، مومن کے ذمے واجب ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں بھی یہی بات پسند کرے نیز اپنے مناظر سے صاف صاف یہ بھی بات کرلے کہ اگر آپ کا مقصد اس مباحثہ سے یہ ہو کہ میری غلطی

ظاہر ہو اور آپ کا حق پر ہونا خوامخواہ ثابت ہو ہی جائے، یا میرا مقصد یہ ہو کہ آپ کی غلطی کھل جائے اور میرا برسرِ حق ہونا ثابت ہو جائے تو ایسا مناظرہ ومباحثہ حرام ہے، کیونکہ خداوند کریم کو یہ نیت وخصلت پسند نہیں ہے، ہمیں اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، پھر اگر کوئی دریافت کرے کہ مناظرہ کس طور پر ہونا چاہئے، تو میں کہوں گا کہ بطور خیر خواہی کے۔ اور خیر خواہی کیا ہے؟ تو اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ہمارے درمیان کسی مسئلہ پر مباحثہ ہے میں کہتا ہوں کہ یہ حلال ہے اور آپ کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے، تو ہم آپس میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری گفتگو ایسی ہونی چاہئے کہ نجات وسلامتی کی راہ منکشف ہو جائے، میری نیت یہ ہو کہ اگر حق آپ کی زبان سے واضح ہو جائے تو میں اسے اختیار کرلوں اور آپ کی نیت یہ ہو کہ حق بات اگر میرے ذریعے سے کھل جائے تو آپ اسے قبول کرلیں، اور حق وہ ہے جو کتاب وسنت اور اجماع پر منطبق ہو جائے، اگر ہماری نیت اور ہمارا قصد وارادہ یہ ہوگا تو امید ہے کہ اس مباحثہ کا نتیجہ اچھا ہوگا، حق وصواب کی توفیق نصیب ہوگی اور اس مباحثہ میں شیطان کو دخل اندازی کا موقع نہ ہوگا۔

مباحثہ سے اعراض:

ایسے عالم کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ مجلس مباحثہ میں اگر کوئی شخص گفتگو کرنے لگتا ہے جس کا مقصد مناظرہ سے محض جدل اور مباحثہ ومغالبہ ہے تو اس کے ساتھ نہیں الجھنا چاہئے، کیونکہ یہ شخص اس کے قول کو رد کرنا اور محض اپنے مذہب کو ثابت کرنا چاہتا ہے، اگر اس کے سامنے دلائل قاہرہ کے ڈھیر لگا دیئے جائیں جن کا قبول کرنا عقل ونقل کے نزدیک واجب ہو، جب بھی یہ نہ مانے گا، اور اپنی بات کی پچ کرے گا، ظاہر ہے کہ جس شخص کی نیت یہ ہو اس کی فتنہ انگیزی پر اطمینان نہیں اور نہ

ایسے مناظرہ کا انجام اچھا ہوگا۔

جس عالم کی نیت محض بحث وجدال ہو اس سے یہ کہو کہ فرض کرو میں حجازی ہوں اور تم عراقی ہو، اور بحث کا موضوع کوئی ایسا مسئلہ ہے جس میں میرا مذہب یہ ہے کہ وہ حلال وجائز ہے اور تمہارا مسلک یہ ہے کہ وہ حرام وناجائز ہے، اس مسئلہ پر تم مباحثہ کرنا چاہتے ہو، پھر تمہارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اپنے قول سے رجوع کرو، بلکہ تمہارے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ میں بھی تمہارا ہی مسلک اختیار کرلوں، اور میرے نزدیک صرف میرا قول قابل قبول ہے اور میرا بھی مقصد اپنے قول سے رجوع کرنا نہیں ہے، بس میرا مقصد یہ ہے کہ تمہاری بات کی تردید کروں اور تمہاری مراد یہ ہے کہ میرے مذہب کو رد کرو، تو اس مناظرہ کا کیا حاصل؟ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قول پر خاموشی کے ساتھ قائم رہو اور میں اپنی بات پر خاموشی سے جما رہوں، ہمارے لئے یہی سلامتی کی راہ ہے، اور حق ودرستگی کا اسی میں زیادہ امکان ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تم باطل پر ہونے کے باوجود یہی چاہو گے کہ میری زبان سے حق بات نہ نکلے اور صواب ودرستگی کی توفیق سے میں محروم رہوں، اگر ایسا ہوا تو تم مسرور وشادماں ہوگے اور میری بھی خواہش بالکل یہی ہوگی، جب ہر ایک کی نیت یہی ہے کہ دوسری طرف سے حق بات ظاہر نہ ہو تو ہم سے برا کون ہوگا اور ہمیں ہدایت کی توفیق کیونکر ملے گی؟ ایسا علم تو ہمارے خلاف حجت ہوگا بلکہ جاہل آدمی ہمارے مقابلہ میں درگزر کا زیادہ مستحق ہوگا۔

مباحثہ کا مہلکہ:

اور اس سے بھی بڑھ کر بیہودہ بات یہ ہے کہ بسا اوقات ایک فریق رسول اللہ

ﷺ کی سنت سے استدلال کرتا ہے لیکن فریق مخالف محض اس اندیشہ سے کہ اس کی دلیل ٹوٹ جائے گی یا کمزور پڑ جائے گی بے تکلف اس سنت کو رد کر دیتا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ ایک فریق رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حدیث سناتا ہے اور دوسرا کہہ دیتا ہے کہ یہ باطل ہے، میں اس کا قائل نہیں ہوں، اس طرح وہ سنت رسول کو محض اپنی رائے سے بغیر کسی تمیز کے رد کر دینے کا مجرم بنتا ہے، اسی طرح کبھی ایک فریق کسی مسئلہ میں کسی صحابی کا قول بطور دلیل کے پیش کرتا ہے، اسے بھی دوسرا فریق رد کر دیتا ہے، اور اس کے استدلال کی جانب محض اس لئے التفات نہیں کرتا کہ اس کی بات رہ جائے، چاہے اس کی وجہ سے سنتِ رسول اور آثارِ صحابہ کو رد کرنا پڑے۔

بحث وجدال اور غلبہ کی خواہش ایک جاہل کی صفت ہو سکتی ہے عالم کی نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شخص سے اپنی پناہ میں رکھے، عالم کا مقصد مباحثہ سے محض خیر خواہی، اور اپنے اور دوسرے کے لئے دینی فوائد کا حصول ہے۔ کثر اللہ فی العلماء مثل هذا و نفعه بالعلم و زينه بالحلم۔

☆☆☆☆☆☆☆

عوام الناس کے ساتھ معاشرت

جس قسم کے عالم دین کا ذکر ہم کررہے ہیں، اس کے اخلاق کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنیوالا، اس کے شر سے مطمئن رہتا ہے اور اس کا ہمنشیں اس کے خیر کا امیدوار ہوتا ہے، وہ چھوٹی باتوں پر گرفت نہیں کرتا، کسی کی غلطی کا چرچا نہیں کرتا، کسی کی چغلخوری کی وجہ سے تعلقات منقطع نہیں کرتا، اگر کسی سے رنجش ہوتی ہے تو اس کے پوشیدہ راز نہیں کھولتا، اور نہ ناحق اس سے انتقام لیتا، بلکہ اسے معاف کرتا اور اس سے درگزر کرتا ہے، حق کے سامنے سپر انداز اور باطل کے حق میں سخت ہوتا ہے، اپنی ایذاء پر غصہ پی جانے والا اور خالق کی نافرمانی پر سخت بغض رکھنے والا، بیوقوف کا جواب خاموشی سے اور عالم کا جواب اس کی بات کی قبولیت سے دیتا ہے، نہ مداہنت کرتا نہ دشمنی رکھتا، نہ اتراتا، نہ حسد کرتا، نہ کینہ پرور ہوتا، نہ بیوقوف ہوتا، نہ خشک ہوتا، نہ سخت دل ہوتا، نہ طعنہ دیتا، نہ طنز کرتا، نہ غیبت کرتا، نہ بُرا بھلا کہتا، جو احباب خدا کی طاعت میں اس کے مددگار ہوتے ان کی صحبت اختیار کرتا ہے، اور جن چیزوں سے خالق کی ناراضگی ہوتی ہے ان سے منع کرتا ہے، جن لوگوں کی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا، اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتا ہے، بندوں کے حق میں صاف دل، کینہ اور حسد سے پاک ہوتا ہے، اہل ایمان کے لئے اس کے دل میں آخری امکانی حد تک حسن ظن کا جوش ہوتا ہے، کسی کی نعمت وخوشی کا زوال نہیں چاہتا، اس کی نرم دلی کی وجہ سے اگر کوئی گستاخی کر بیٹھتا ہے تو اس

کے ساتھ بھی مدارات ہی کا برتاؤ کرتا ہے، اگر کسی کی جہالت وگستاخی سے کبھی اسے حیرت واستعجاب ہونے لگتا ہے تو وہ یہ سوچ کر اپنی حیرت دور کر لیتا ہے کہ اللہ عزوجل کے حق میں میری جہالت اور گستاخی اس سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، اس سے کسی بدی کا اندیشہ اور کسی دغا کا خوف نہیں ہوتا، عام لوگ اس سے راحت میں ہوتے ہیں، البتہ خود اس کا نفس پوری مشقت میں رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

خدا کے حضور میں

ایک عالم ربّانی کے یہ جتنے اوصافِ حمیدہ اور اخلاق فاضلہ ہم نے ذکر کئے، یہ سب خداوند تعالیٰ کی توفیق سے کسی ایسے عالم میں جمع ہوتے ہیں، جسے ان سب کی توفیق مل گئی ہو، پھر ظاہر ہے کہ خود خدا تعالیٰ کی جناب میں اس کے ذوقِ عبودیت اور شوقِ طاعت کا کیا حال ہوگا۔ یقیناً حق تعالیٰ اس کے قلب کو وہ کیفیت عطا فرما دیتے ہیں کہ اسے ایک طرح کی خصوصیت اور امتیاز حاصل ہو جاتا ہے، اور یہ اس علم کی برکت ہے جس سے حق تعالیٰ نے اسے نواز کر انبیاء کا وارث اور اولیاء کا قرۃ عین اور بیمار دلوں کا مسیحا بنایا ہے۔

اس کا حال سنئے! وہ خدا تعالیٰ کا شاکر و ذاکر ہوتا ہے، محبت خداوندی کی حلاوت سے سرشار، مناجاتِ الٰہی میں فارغ و یکسو، تمام تر طاعت و عبادت کے باوجود اپنے آپ کو گنہگار و خطاکار شمار کرتا اور حسن عمل پر دوام کے باوجود خود کو پُر تقصیر سمجھتا ہے، خدا کی پناہ اس نے ڈھونڈھی، خدا نے اسے قوت بخشی، خدا پر اعتماد و توکل کیا پھر کسی کا خوف دل میں نہیں لایا، اللہ کو پا کر ہر چیز سے بے نیاز ہو گیا، ہر چیز میں خدا ہی کا محتاج رہا، اس کو اُنس ہے تو محض اللہ سے، اور وحشت ہر اس چیز سے ہے جو خدا سے اسے ہٹا دے، اس کا علم بڑھتا ہے تو خدا کی حجت پختہ ہونے سے خائف ہوتا ہے، سابقہ اعمال صالحہ کے سلسلے میں عدمِ قبولیت سے ڈرتا رہتا ہے، تلاوت کلام اللہ کرتے وقت اس کی فکر رہتی ہے کہ اپنے مولیٰ کی بات سمجھ لوں اور سنت رسول میں اشتغال اس لئے

ہوتا ہے کہ اس میں تفقہ حاصل کر لے، مبادا کوئی حکم ضائع نہ ہو جائے، قرآن وسنت کے آداب سے مزین ہوتا ہے، اہل دنیا سے دنیاوی عزت کے سلسلے میں کوئی مسابقت نہیں کرتا اور دنیاوی ذلت سے اسے کچھ گھبراہٹ نہیں ہوتی، زمین پر تواضع، وقار اور سکون کے ساتھ چلتا ہے، اس کا دل ہر وقت عبرت پذیری میں مشغول رہتا ہے، اگر کبھی اس کا دل اللہ کی یاد سے خالی ہو جائے تو اس کے نزدیک سخت مصیبت ہے، اگر اللہ کی اطاعت بغیر حضور قلب کے ہو تو سخت محرومی اور خسارہ، ذاکروں کے ساتھ ذاکر، غافلوں کی حالت سے عبرت پذیر، اپنے عیوبِ نفس سے واقف اور اسے مُتَّہم جاننے والا، علوم میں اتنی وسعت کہ سمجھ بالکل کھلی ہوئی، جس کا اثر یہ ہے کہ ذاتِ حی وقیوم سے حیا وشرم اس کے دل میں سما گئی، تمام اعمال میں مشغولی بحق مسلسل اور ماسوا اللہ سے انقطاع ویکسوئی مکمل۔

اب تم پوچھ سکتے ہو کہ علماء کے یہ اوصاف جو آپ نے شمار کرائے ہیں کیا ان کی کوئی اصل قرآن وسنت یا آثارِ صحابہ وتابعین میں ہے؟ میں کہوں گا کہ بے شک اور ابھی ہم اس کے دلائل ذکر کرتے ہیں، غور سے سنو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّداً وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلاً وَ يَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعاً۔

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم عطا کیا جا چکا ہے، جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اللہ پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونے والا تو تھا ہی، اور منہ کے بل

سجدے میں گرتے ہیں اور روتے ہیں، پھر ان کے خشوع میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے علماء کی شان کیا کیا ارشاد فرمائی، یعنی گریہ، خشیت، طاعت اور رب تعالیٰ کے لئے تذلل وغیرہ۔

حضرت عبدالاعلیٰ تیمی ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو علم تو عطا ہوا لیکن وہ علم اس میں گریہ وبکا نہ پیدا کرسکا تو درحقیقت وہ علم نافع کہلانے کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے علماء کی صفت یہ ارشاد فرمائی ہے، پھر مذکورہ بالا آیت قرآنی تلاوت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے، ایک صاحب علم اور ایک دنیادار، لیکن یہ دونوں مساوی نہیں ہیں، صاحب علم کی ترقی تو رضاء الٰہی میں ہوتی ہے، لیکن دنیادار طغیان وسرکشی میں بڑھتا ہے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے إنما يخشى الله من عباده العلماء تلاوت فرمائی، اس کے بعد یہ پڑھا، إن الانسان ليطغىٰ أن راه استغنى 'انسان سرکشی کرتا ہے جبکہ خود کو مستغنی دیکھتا ہے۔

مطر وراق سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ومن يؤت الحكمة فقد اوتى خيراً كثيراً کے متعلق منقول ہے کہ حکمت خشیت الٰہی اور اللہ کی معرفت ہے، حضرت مسروقؒ کا قول ہے کہ آدمی کے عالم ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہو اور جاہل ہونے کے لئے اتنا ہی بس ہے کہ اپنے علم پر نازاں ہو۔

یحییٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو خدا سے ڈرے، اور خدا کا خوف ورع وتقویٰ ہے۔ حضرت ایوب سختیانی کا ارشاد ہے کہ عالم کو یہ بات زیب دیتی ہے

کہ اللہ کے واسطے تواضع کی وجہ سے اپنے سر پر راکھ ڈال لے (یعنی انتہائی پستی اختیار کرے)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب علم کی جستجو میں مشغول ہو تو بلا تاخیر اس کے خشوع میں، اس کی نگاہ میں، اس کی زبان میں، اس کے ہاتھ میں اور اس کے زہد میں علم کا اثر ظاہر ہو جانا چاہئے، اگر آدمی علم کا کوئی باب حاصل کرلے اور اس پر عمل کرلے تو یہ بات اس کے حق میں اس سے کہیں بہتر ہے کہ دنیا اور دنیا کا سب ساز و سامان اسے حاصل ہو، اور وہ سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ حضرت سفیان بن عیینہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرا دن بیوقوفوں جیسا دن ہو اور میری رات جاہلوں جیسی رات ہو تو مجھے اس علم سے کیا نفع جسے میں نے لکھ پڑھ رکھا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب ؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں واقعی اور حقیقی فقیہ کی علامت بتا دوں؟ درحقیقت فقیہ وہ ہے جو خدا کی رحمت سے لوگوں کو مایوس نہ کرے اور نہ معاصی پر جرأت پیدا ہونے دے، انھیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے مطمئن نہ کرے اور قرآن کریم دوسروں کے حوالہ نہ کر دے۔ اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہ ہو، اس تفقہ میں ذرا بھی خیر نہیں جس میں فہم نہ ہو، اور اس پڑھائی میں کوئی عمدگی نہیں جس میں تدبر نہ ہو۔

مطر وراق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے ایک مسئلہ کی بابت دریافت کیا، انھوں نے کچھ بتایا، اس پر میں نے عرض کیا اے ابو سعید! دوسرے فقہاء اس مسئلے میں آپ سے اختلاف کرتے ہیں، فرمایا کہ مطر! تمہاری ماں تمہیں روئے تم نے کبھی فقیہ دیکھا بھی ہے، جانتے بھی ہو فقیہ کسے کہتے ہیں؟ فقیہ وہ زاہد و متورع ہے جو اپنے سے کم رتبہ سے مذاق نہیں کرتا اور اپنے سے بڑے کی عیب جوئی نہیں کرتا، اور

اپنے علم پر حطامِ دنیا (دنیاوی سامان) کا طلبگار نہیں ہوتا۔

عمران منقری کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضرت حسن بصریؒ سے ان کے کسی قول کے متعلق عرض کیا کہ فقہاء ایسا نہیں کہتے، فرمایا جاؤ میاں کبھی تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت، آخرت کا حریص، امور دین میں صاحب بصیرت اور اللہ عزوجل کی عبادت پر دائم وقائم ہو۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو معلوم ہوا کہ بنی سہم کے علاقے میں ایک مجلس کے اندر قریش کے کچھ افراد بیٹھے کسی مسئلے پر جھگڑ رہے ہیں اور ان کی آوازیں بلند ہوتی جارہی ہیں، حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ چلو ذرا وہاں تک چلیں، جب ہم وہاں پہونچے تو کھڑے کھڑے حضرت ابن عباس ؓ نے مجھے حکم دیا کہ انھیں اس جوان کی بات سناؤ جس نے حضرت ایوب ؑ سے گفتگو کی تھی، میں نے عرض کرنا شروع کیا کہ اس جوان نے کہا تھا کہ اے ایوب! کیا خدا کی عظمت شان اور موت کی یاد میں ایسی خاص بات نہیں جو تمہاری زبان کی گویائی چھین لے، تمہارے دل کو پارہ پارہ کردے اور تمہاری دلیل کے ٹکڑے اُڑا دے، اے ایوب! آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کتنے بندے ایسے ہیں کہ جن کو خدا کی خشیت نے گونگا بنا رکھا ہے حالانکہ بولنے سے نہ وہ عاجز ہیں اور نہ فی الواقع وہ گونگے ہیں۔ وہ لوگ عقلمند ترین، فصیح وبلیغ، طلیق اللسان، سمجھ دار، اللہ کی معرفت رکھنے والے اور آیاتِ الٰہی کے عالم ہیں، لیکن جب عظمت خداوندی کو یاد کرتے ہیں تو ان کے قلوب شق ہوجاتے ہیں، ان کی زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں، ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں، اور ان کی عادات فنا ہوجاتی ہیں، اللہ عزوجل کی ہیبت اور خوف کا ان پر یہ اثر ہوتا ہے، پھر جب

اس کیفیت سے افاقہ پاتے ہیں تو پاکیزہ اعمال کے سہارے خدا کی جانب دوڑ پڑتے ہیں، زیادہ عمل کر کے بھی زیادہ نہیں سمجھتے، اور کم پر راضی نہیں ہوتے، اپنے آپ کو خطا کار و گنہگار سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اعلیٰ درجہ کے پاکدامن اور نیک ہوتے ہیں، نیز خود کو ناکارہ اور حد سے تجاوز کرنے والا خیال کرتے ہیں، حالانکہ وہ دانا، قوی، نیکوکار اور مستقیم الاحوال ہوتے ہیں، ناواقف انھیں دیکھ کر بیمار سمجھتا ہے، حالانکہ وہ مریض نہیں ہوتے، انھیں کوئی مرض لاحق نہیں ہوتا، البتہ خود ان کے بیمار سمجھنے والوں کو بڑی بڑی بیماریاں گرفتار کیئے ہوئے ہیں۔

علماء وفقہاء کے جن اوصاف واخلاق کا ہم نے سطورِ بالا میں تذکرہ کیا ہے ڈھونڈھنے والوں کو ان سب کی دلیلیں ان احادیث وآثار میں مل جائیں گی۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ خوف وخشیت اور حیرانی وپریشانی اہل علم کو کیوں لاحق ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں یہ یقین واذعان خوفزدہ کیئے رہتا ہے کہ حق تعالیٰ ان سے اس علم کے متعلق عمل کے باب میں سوال کریں گے، اسی بازپُرس کا استحضار انھیں بے چین کیئے رہتا ہے، اور اسی وجہ سے ہر معاملہ میں احتیاط برتتے ہیں، اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ کیا علماء سے بازپُرس بھی ہوگی؟ تو ہم کہیں گے بلاشبہ، پھر وہ کہے کہ اچھا تو کچھ ایسی باتیں تحریر کیجئے جن سے عالم اپنے خواب غفلت سے بیدار ہو جائے، اور جن اخلاق کا آپ نے ذکر کیا ہے انھیں کوشش سے اختیار کرنے کی ہمت کرے، و اللہ موفقنا تو ہم کہیں گے لو سنو! ابھی ان شاء اللہ

☆☆☆☆☆☆☆

اہل علم سے اللہ کے دربار میں باز پُرس

حضرت معاذ بن جبل ؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

لَاتَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ، عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ إِكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ وَعَنْ عِلْمِهٖ مَاذَا عَمِلَ فِيْهِ۔

کسی بندے کے قدم قیامت کے دن اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ ہلیں گے جب تک کہ اس سے چار باتوں کا سوال نہ کر لیا جائے، عمر کے متعلق کہ کہاں خرچ کی، جوانی کے متعلق کہ کس کام میں اسے کھویا، مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے علم کے متعلق کہ اس پر کیا عمل کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

لَاتَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسِ خِصَالٍ، عَنْ عُمْرِكَ فِيْمَا أُفْنَيْتَ وَ عَنْ شَبَابِكَ فِيْمَا أُبْلَيْتَ وَعَنْ مَالِكَ مِنْ أَيْنَ إِكْتَسَبْتَ وَفِيْمَا أُنْفَققتَ وَمَا عَمِلْتَ فِيْمَا عَلِمْتَ۔

ابن آدم کے قدم میدان قیامت سے اس وقت تک ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ پانچ باتیں اس سے پوچھ نہ لی جائیں، اپنی عمر کہاں فنا کی، اپنی جوانی کہاں کھوئی، اپنا مال کہاں سے کمایا اور کس کام میں خرچ کیا، اور اپنے علم پر کیا عمل کیا۔

عبداللہ بن عکیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو اسی مسجد

یعنی مسجد کوفہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اور اصل بات ارشاد فرمانے سے پہلے قسم کھائی کہ خدا کی قسم تم میں سے ہر ایک آدمی کی ملاقات اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جدا جدا ہوگی، جیسا کہ ہر شخص چودھویں کے چاند کو الگ الگ بلا شرکت غیرے دیکھتا ہے، پھر تین بار اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! تمہیں میرے متعلق کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا تھا، پھر فرمائیں گے تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا، تم نے اپنے علم پر کیا عمل کیا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے میدانِ قیامت میں سب سے زیادہ اندیشہ اور خوف اس سوال کا ہے کہ تم نے دنیا میں علم حاصل کیا، یہ بتاؤ کہ اس پر عمل کتنا کیا؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں کہ تم اس وقت تک عالم کہلائے جانے کے مستحق نہیں ہو جب تک اس پر عمل نہ کرو۔

عطاء بن رباح کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس ایک نوجوان آمد و رفت رکھتا تھا، مسائل پوچھتا اور حضرت عائشہؓ حدیثیں بیان فرماتیں، ایک دن وہ آیا تو ام المومنین نے اس سے پوچھا کہ اے بیٹے جو کچھ تم نے اب تک علم حاصل کیا اس پر تمہارا عمل بھی ہو چکا یا نہیں؟ اس نے کہا ابھی تو نہیں اے اماں جان، فرمایا کہ پھر تم کیوں اپنے اوپر اور میرے اوپر اللہ کی حجت میں اضافہ کرتے ہو، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو نہیں جانتا اس کیلئے ایک بار ہلاکت اور جو علم رکھتے ہوئے عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات بار ہلاکت۔

جو شخص غور و فکر کو کام میں لائے گا اسے یقیناً اس بات کا خوف ہوگا کہ یہ علم کہیں اس کے خلاف حجت نہ بن جائے اور اس کے حق میں مضر نہ ثابت ہو، جب اسے اس کا خوف ہوگا تو اپنے نفس پر سختی کر کے اسے اخلاقِ فاضلہ پر لگائے گا۔

علمائے سوء کے اخلاق واوصاف

اس سلسلے میں کچھ روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین سے گزر چکی ہیں، جن میں ان علماء ظاہر کے کچھ اوصاف واخلاق کا ذکر آچکا ہے جن کو ان کے علم سے نفع نہیں پہونچ سکا، جن کے حصول علم کا مقصد، فخر ونمائش، بحث وجدال، اغنیاء کا مال اُڑانا، ملوک وسلاطین کی صحبت ہے تاکہ ان سے دنیا حاصل کی جاسکے، یہ شخص خود کو اہل علم کے زمرہ میں شمار کرتا ہے، حالانکہ اس کے اخلاق جاہلوں جیسے ہیں، یہ ایک زبردست فتنہ ہے، اس کی زبان تو علماء کی ہے لیکن عمل بیوقوفوں کا سا ہے، ہم اس سلسلے میں کچھ احادیث وروایات ذکر کرتے ہیں تاکہ ان برائیوں سے پرہیز کیا جاسکے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَـنْ تَعَلَّمَ عِلْماً لِغَيْرِ اللّٰهِ أوْ	جس نے علم کو غیر خدا کیلئے حاصل کیا، یا
أَرَادَ بِـهٖ غَيْـرَ اللّٰهِ فَـلْيَتَبَوَّأْ	علم حاصل کر کے غیر خدا کو مقصود بنالیا
مَـقْـعَـدَهٗ مِـنَ الـنَّـارِ ۔	اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لینا چاہئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ:

لَاتَتَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَ لِتُمَارُوْابِهِ السُّفَهَاءَ وَلَا لِتَجْتَرُوْا لَمَجَالِسَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارَ فَالنَّارَ۔

علم اسلئے نہ حاصل کرو کہ علماء پر فخر کرسکو، نہ اس لئے کہ بیوقوفوں سے الجھو اور نہ اسلئے کہ مجالس میں صدر مقام اپنے لئے محفوظ کرو، جس نے ایسا کیا اس کیلئے جہنم ہے جہنم۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِىَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِىَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يُصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔

جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء سے بازی جیتے، بیوقوفوں سے الجھتا رہے، اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرے اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعُهُ عِلْمُهٗ۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص پر ہوگا جس کے علم نے اسے کچھ نفع نہ دیا ہو۔

حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ فِىْ آخِرِ الزَّمَانِ عُبَّادٌ جُهَّالٌ وَعُلَمَاءُ فُسَّاقٌ۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اخیر زمانے میں عبادت گزار جاہل اور فاسق علماء ہوں گے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ عموماً یہ بات کہی جاتی تھی کہ جاہل عبادت گزار اور فاسق و فاجر عالم کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ ان دونوں فتنوں کا ہر شخص پر اندیشہ ہے۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ یوم موعود یعنی قیامت کا دن اس وقت تک نہ آئے گا جب تک علماء مردار گدھے سے بدتر نہ ہو جائیں گے۔ امام اوزاعیؒ کا ارشاد ہے کہ عام طور پر یہ بات معروف تھی کہ جو لوگ تفقہ تو حاصل کرتے ہیں مگر

عبادت کے لئے نہیں اور جو لوگ محض شبہ کی وجہ سے حرام چیزوں کو حلال کر لیتے ہیں ان کے لئے ہلاکت ہے۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء کو عتاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تفقہ حاصل کرتے ہو لیکن دین کے واسطے نہیں، تم لوگ پڑھتے ہو لیکن عمل کیلئے نہیں، عمل آخرت کے عوض میں دنیا خریدتے ہو، بھیڑوں کی کھال پہنتے ہو، اور بھیڑیوں کا دل چھپائے رہتے ہو، پانی میں تنکا پڑ جائے تو اس سے اجتناب کرتے ہو اور پہاڑ جیسے حرام کو ہضم کر جاتے ہو، نمازیں لمبی پڑھتے ہو، کپڑوں کو صاف رکھتے ہو، لیکن یتیموں اور بیواؤں کا مال کھاتے ہو، میری عزت کی قسم تم پر ایسا فتنہ مسلط کر دوں گا کہ ہر عاقل کی عقل اور ہر حکیم کی حکمت گم ہو کر رہ جائے گی۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ عالم دو ہیں، عالم دنیا اور عالم آخرت، عالم دنیا کا علم آشکارا اور نمایاں ہے، اور عالم آخرت کا علم مستور و پنہاں، عالم آخرت کا اتباع کرو اور عالم دنیا سے دور رہو، کہیں تم کو بھی اپنے نشہ کی وجہ سے نہ روک دے، پھر یہ آیت پڑھی:

إِنَّ كَثِيْراً مِّنَ الْأَحْبَارِ	بہت سے علماء و عابدین لوگوں کے
وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ	مالوں کو ناجائز طور پر کھاتے ہیں،
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔	اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ بہت سے علماء ایسے ہیں کہ ان کی پوشاک نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں قیصر و کسریٰ کے ملبوسات سے زیادہ مشابہ ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی اور نہ لکڑی پر لکڑی رکھی، آپ کے لئے علم ظاہر کیا گیا اور آپ

اس کی جانب لپک کر گئے۔ فضیل ہی فرماتے ہیں کہ علماء بہت ہیں اور حکماء کم ہیں، علم کا مقصد حکمت ہی ہے، جسے حکمت دی گئی اسے بہت کچھ بھلائی دے دی گئی۔

حضرت فضیل بن عیاض کے اس قول کا مطلب غالباً یہ ہے کہ بہت کم علماء اپنے علم کو طلب دنیا سے محفوظ رکھ پاتے ہیں اور اسے طلب آخرت کا ذریعہ بناتے ہیں، ورنہ اکثر علماء تو اپنے علم کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جاتے ہیں، اور حکماء قلیل ہیں یعنی علم کے ذریعے آخرت طلبی کیسی کچھ عزیز چیز ہے کہ یہی لوگ حکماء ہیں اور بہت کم ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

علم، جس سے رضاء خداوندی حاصل ہوتی ہے، اس کے حاصل کرنے میں جس نے محض یہ نیت رکھی کہ دنیا کا کوئی ساز وسامان حاصل کرے گا، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک سے محروم رہے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم، علم کی حفاظت کریں اور اسے لائق افراد کے حوالے کریں تو اس کی وجہ سے اہل زمانہ کے سردار ہو جائیں، لیکن انھوں نے اسے اہل دنیا کی رضاجوئی میں صَرف کیا تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حصہ حاصل کریں، اس کی وجہ سے ان کی نگاہ میں ذلیل ہو گئے، میں نے خود تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ جعل الهموم هماً واحداً همّ آخرته كفاه اللّٰه همّ دنياه ومن تشعبت به هموم أحوال الدنيا لم يبال اللّٰه فى أى أوديتها هلك۔

جس نے تمام افکار و ہموم کو ایک فکر بنالیا یعنی فکر آخرت، اللہ تعالیٰ اسے فکر دنیا سے بے نیاز کردیتے ہیں، اور جس کو یہ افکار و ہموم احوال دنیا کے مختلف وادیوں میں بھٹکائے پھریں تو اللہ کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔

عیسیٰ بن سنان کہتے ہیں کہ حضرت وہب بن منبہ، عطا خراسانی سے فرمارہے تھے کہ ہم سے پہلے جو علماء تھے وہ اپنے علم کو لے کر دوسروں کی دنیا سے بالکل بے نیاز تھے، انھیں اس کی جانب سرے سے التفات ہی نہ تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ اہل دنیا کو ان کے علم کی رغبت تھی اور اس کی وجہ سے وہ ان پر اپنی دنیا صَرف کرتے تھے، اور آج اہل علم کا یہ حال ہے کہ اپنے علوم کو اہل دنیا کا خادم بنائے ہوئے ہیں، تاکہ ان کی دنیا میں سے کچھ حصہ حاصل کرسکیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا والے ان کے علم وفضل سے قطعی بے نیاز ہوگئے، دیکھ لیا کہ ان کا کیا حال ہے، خبردار بادشاہوں کی چوکھٹ سے دور ہی رہنا، وہاں فتنے ہیں جیسے اونٹوں کے باڑے میں نجاست ہی نجاست ہوتی ہے جتنی تم ان سے دنیا حاصل کروگے اتنا ہی وہ تمہارا دین برباد کریں گے۔

غور کرو، جب اس دور میں علماء کو یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ دنیا انھیں فتنہ میں ڈال دے گی تو ہمارے اس زمانے میں کیا حال ہوگا، خود سمجھ سکتے ہو، اللہ ہی مددگار رہے، کتنے کتنے فتنے علماء پر آچکے ہیں، لیکن یہ حضرات غفلت میں ہیں۔

ہشام صاحب دستوائی کہتے ہیں کہ ایک کتاب میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد پڑھا، فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی روزی سے ناخوش ہو اور اپنے رُتبہ کو حقیر سمجھتا ہو وہ اہل علم میں کیونکر شمار ہوسکتا ہے؟ جو شخص تقدیر کے باب میں خدا پر تہمت رکھتا ہو اور جو کچھ اسے ملا اس پر راضی نہ ہو وہ اہل علم کی گنتی میں کیسے آسکتا ہے؟ جس کا

سفر آخرت کی جانب ہو اور وہ دنیا کی جانب متوجہ ہو اس کو اہل علم سے کیا واسطہ؟ جس کے نزدیک آخرت کے مقابلے میں دُنیا کو ترجیح حاصل ہو اور دنیا کی اسے زیادہ رغبت ہو اس کا اہل علم سے کیا تعلق؟ جو شخص باتیں اس لئے تلاش کرتا ہے کہ لوگوں سے بیان کرتا پھرے، اس لئے نہیں کہ اس پر عمل کرے، وہ بھلا کیونکر عالم ہو سکتا ہے؟

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو متواضع عالم پسند ہے اور متکبر عالم ناپسند، اور جو شخص اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے، اس کو حق تعالیٰ حکمت عطا فرماتے ہیں۔

مالک بن دینارؒ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ دَورِ قحط میں ہو، بابصیرت آدمی ہی اسے سمجھ اور برت سکتا ہے، تم لوگ ایسے وقت میں ہو کہ زبانیں موتھوں میں پھول گئی ہیں، لوگ دنیا کو عمل آخرت کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، تم اپنے آپ کو ان سے بچائے رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنے جال میں تمہیں پھانس لیں، اے عالم! تم عالم ہو؟ اپنے علم کو ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے، اے عالم! تم عالم ہو؟ اپنے علم پر نازاں ہو، اے عالم! تم عالم ہو؟ اپنے کثرتِ علم پر فخر کرتے ہو، اے عالم! تم عالم ہو؟ اپنے علم کی وجہ سے زبان درازی کرتے ہو، اگر اس علم کو تم نے خدا کے واسطے حاصل کیا ہوتا تو تم میں اور تمہارے علم میں اس کا اثر نمایاں ہوتا۔

علماءِ سوء کے اوصاف وعادات:

اگر کوئی مجھ سے کہے کہ اچھا ہمارے سامنے ایسے علماء کے کچھ احوال بیان کر دو جن کا علم ان کے خلاف ان پر حجت ہے تا کہ ہم کسی اہل علم کو دیکھیں تو پہلے اس کے احوال واخلاق کو پرکھ لیں، اگر اس میں ایسے اخلاق وعادات ہوں جو اہل علم کی

شان کے لائق نہیں ہیں تو ہم ان سے اجتناب کریں اور سمجھ لیں کہ ابھی ان کی جو باتیں پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی بدتر ہوں گی جو ظاہر ہوگئیں اور ہم یہ بھی جان لیں کہ یہ شخص فتنہ ہے تو اس سے پرہیز ہی کرنا چاہئے، کہیں ہم بھی اسی کی طرح فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ واللہ موفقنا للرشاد

ہم عرض کریں گے ٹھیک ہے ہم کچھ ایسی باتیں بیان کئے دیتے ہیں جنھیں اہل علم سن لیں اور غور کرلیں کہ ان میں یہ اخلاق مذمومہ اور عادات قبیحہ موجود تو نہیں ہیں، اگر ہوں تو اللہ سے معافی چاہیں، اور ان سے فوراً باز آجائیں، اور وہ اخلاق اختیار کریں جو اہل علم کی شان کے مناسب ہیں، جن سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور ایسی عادات یکلخت ترک کردیں جن سے حق تعالیٰ کی جناب سے دوری ہوتی ہو۔

ایسے عالم کی ایک بری عادت یہ ہے کہ علم کو غفلت اور لاپرواہی کے ساتھ حاصل کرتا ہے، اور علم حاصل کرتا بھی ہے تو وہ جس کی جانب اس کے نفس کو رغبت ہو، مطلب یہ ہے کہ طلب علم سے اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اللہ کی عبادت وطاعت اور گناہوں سے اجتناب واحتراز کے لئے علم کی ضرورت ہے اور اس مقصد علم حاصل کرنا فرض ہے، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ پڑھوں گا تو طالب علم اور عالم کی حیثیت سے میرا تعارف زیادہ ہوگا، شہرت ہوگی، اسی مقصد کے لئے وہ اپنے آپ کو سنوارتا ہے اور جن علوم کا حصول مخلوق کے نزدیک اعزاز اور مرتبہ بخشنے والا ہے، اسے حاصل کرنے میں تیزی دکھلاتا ہے اور اس میں اسے آسانی ہوتی ہے، اور جو علوم محض خدا کے لئے ضروری ہیں کہ انھیں حاصل کر کے ان پر عمل کرسکے، ان کا حصول دشوار ہوتا ہے، تو انھیں جان بوجھ کر ترک کردیتا ہے، حالانکہ ایسے علم کی سخت ضرورت ہے، جو علم اس کا

مقصود و مطلوب ہے اس کا کچھ حصہ فوت ہو جاتا ہے تو اسے نہایت اُلجھن ہوتی ہے، پھر اسے حاصل کرنے کے لئے سخت مشقت اُٹھاتا ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتا ہے، تو اسی سہولت سے اس پر عمل چھوڑ دیتا ہے، اور اپنے نفس کو عمل کا پابند نہیں بناتا، جس طرح کہ حصول کا پابند بنایا تھا۔ یہ بہت بڑی غفلت ہے، اگر کوئی علم پڑھنے سے رہ گیا تو اسے تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ رنج کے لائق تو یہ بات ہے کہ علم حاصل ہوا، خدا کی حجت اس پر قائم ہوگئی لیکن عمل نہ کر سکا۔ اس پر افسوس کرے تو مناسب ہے۔

ایسے عالم کی ایک بے ہودہ صفت یہ بھی ہے کہ نمائش کے لئے علم حاصل کرتا ہے اور لڑنے کے لئے دلائل فراہم کرتا ہے، اس کا مناظرہ گناہ بنتا ہے، مناظرہ سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں پر اس کی فصاحت و بلاغت ظاہر ہو جائے، اور اس کے فریق مقابل کا غلطی پر ہونا کھل جائے، اگر اس کے مقابل کی زبان سے کوئی صحیح بات نکل جاتی ہے تو اس پر بجائے خوش ہونے کے رنجیدہ ہوتا ہے۔ یہ ایک بری خصلت ہے کہ شیطان کی مسرور کن باتوں سے اس کو خوشی ہوتی ہے، اور رحمٰن کی پسندیدہ چیز سے اسے ناخوشی ہوتی ہے، مناظرہ میں اگر کوئی انصاف نہ کرے تو اس پر اظہارِ تعجب کرتا ہے، حالانکہ وہ خود ہر طرح کا ظلم و جور روا رکھتا ہے، جاننے بوجھنے کے باوجود اپنی غلطیوں کے حق میں دلائل مہیا کرتا ہے، اور اس اندیشہ سے کہ لوگ اس کو غلطی پر مذمت کریں گے، اس کا اقرار نہیں کرتا۔

جس سے تعلق ہوتا ہے اسے فتویٰ میں سہولت دیتا ہے، اور جس سے تعلق نہیں ہوتا اس کے حق میں تشدد کرتا ہے، بعض رائیں اسے ناپسند ہوتی ہیں لیکن اہل تعلق کو ضرورت ہوتی ہے تو سہولت کے خیال سے وہی ناپسندیدہ مسئلہ بتا دیتا ہے، بلکہ اس پر

عمل بھی کرلیا کرتا ہے، جس کو پڑھاتا ہے تو اسلئے پڑھاتا ہے کہ دنیا کا کچھ نفع حاصل ہو، اگر یہ مقصد پورا ہوتا ہے تو آسانی سے اسے پڑھا دیتا ہے اور اگر یہ مقصد پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا بلکہ صرف حصول آخرت ہی اس پر مرتب ہوتا ہے، تو اسے گرانی ہونے لگتی ہے، ایسے علم پر بھی ثواب کی امید باندھتا ہے جس پر اس کا عمل نہیں۔ یہ نہیں سوچتا کہ اس پر کتنا سخت مواخذہ ہوگا۔ جن لوگوں کے احوال مستور و مخفی ہیں ان کے ساتھ بدگمانی قائم کر کے اللہ سے ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کا خوف اسے نہیں ہوتا کہ دنیاداروں کے ساتھ مداہنت کا برتاؤ کر کے خدا کے غضب میں گرفتار ہو چکا ہے، حکمت کی باتیں بولتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے اور یہ نہیں خیال کرتا کہ ترکِ عمل کی وجہ سے اس پر حجت الٰہی قوی ہوتی جارہی ہے، کوئی بات جان لیتا ہے تو فخر وغرور سے اس کا سر اونچا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بات نہیں جانتا اور اسے ضرورت ہوتی ہے تو عار کی وجہ سے اسے چھوڑ دیتا ہے۔

اگر اس کے دَور میں علماء کی تعداد زیادہ ہو اور زمرۂ علماء میں ان کا شمار ہوتا ہو تو چاہتا ہے کہ اس کا بھی تذکرہ ان میں ہو۔ اگر کسی مسئلہ میں اس سے سوال نہ کیا جائے اور دوسرے علماء سے پوچھا جائے تو اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ مجھ سے دریافت کیا جائے، حالانکہ اس پر اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا کہ چلو میں ذمہ داری سے چھوٹا، اور اگر کسی دوسرے نے مسئلہ بتایا اور اس کا بتایا ہوا مسئلہ غلط ثابت ہو گیا تو اسے بہت خوشی ہوتی ہے، حالانہ اسے رنج ہونا چاہئے تھا۔ اگر کسی عالم کی وفات ہوتی ہے تو یہ خوش ہوتا ہے کہ اب لوگ اس کے محتاج و نیازمند ہوں گے، اگر اس سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو اسے معلوم نہ ہو تو اسے اپنی لاعلمی کا اقرار کرنے میں عار محسوس ہوتا ہے

اور تکلف کر کے ایسا جواب دیتا ہے جس کی گنجائش نہیں ہوتی، اگر اسے معلوم ہو کہ فلاں آدمی مسلمانوں کے لئے اس سے زیادہ مفید ہے تو اس کی زندگی اسے ناپسند ہو جاتی ہے اور لوگوں کی رہنمائی اس کی جانب نہیں کرتا۔ اگر اس نے کوئی بات بتائی اس کی یہ بات مان کر لوگوں نے اتباع کر لیا اور جاہلوں کے نزدیک اس کی وجہ سے ایک مقام ومرتبہ اسے حاصل ہو گیا، پھر معلوم ہوا کہ بات غلط تھی، تو اب اسے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے میں عار محسوس ہوتا ہے۔ غلطی کا اعتراف تو ایک طرف رہا اس اندیشہ سے کہ اس کا مرتبہ مخلوق کی نگاہ سے گر نہ جائے، اپنے اس غلط قول کی حمایت میں دلائل فراہم کرنے لگتا ہے۔

اپنے علم کو لے کر بادشاہوں اور دنیاداروں کے سامنے جھکتا ہے تا کہ ان سے کچھ دنیا اور حطام دنیا حاصل کر سکے، اور اس کیلئے کوئی خوبصورت تاویل تراش لیتا ہے، اور اگر فقیر یا مجہول الحال شخص ہو جس پر مال وجاہ کا اثر ظاہر نہ ہو تو اس پر اکڑتا اور تکبر کرتا ہے اور اسے اپنے علم کے فیض سے محروم رکھتا ہے، اور اس کیلئے بھی توجیہ تلاش کر لیتا ہے، اپنے کو زمرۂ علماء میں شمار کرتا ہے، حالانکہ اعمال اسکے سب احمقوں والے ہیں۔ دنیا کی محبت، جھوٹی تعریف کی خواہش اور جاہ ومنزلت کی حرص نے اس کو فتنہ میں ڈال رکھا ہے، علم کے ذریعہ اپنی ایسی آرائش کرتا ہے جیسے کوئی خوبصورت عورت کپڑوں سے اپنے کو سنوارتی ہے، لیکن اپنے علم کو عمل سے مزین نہیں کرتا۔

ہر عالم کو چاہئے کہ ان خصائل پر اچھی طرح غور کر لے، اگر اس کے اندر ان باتوں میں سے کوئی چیز موجود ہو تو اللہ سے شرمائے اور فوراً درستگی اور حق کی جانب رجوع ہو، اب ہم اس سلسلے میں کچھ آثار وروایات نقل کرتے ہیں۔

علم سے آرائش:

حبیب بن عبید اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ علم حاصل کرو، اسے محفوظ کرلو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ، علم اس لئے نہ حاصل کرو کہ اس سے اپنی آرائش کرو، اگر تم لوگوں کی عمر طویل ہوئی تو دیکھ لوگے کہ جس طرح آدمی کپڑے سے زینت و آرائش کرتا ہے ٹھیک اسی طرح علم کو بھی لوگ سامانِ زینت بنائیں گے۔

حضرت لیثؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ سے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ پڑھتے ہو، اپنے لئے پڑھو، کیونکہ امانت اور صدق دونوں لوگوں سے رُخصت ہو چکی ہے۔

دوسروں کی موجودگی میں فتویٰ سے احتراز:

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کو پایا ہے، جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو ہر شخص یہی چاہتا کہ دوسرا اسے بتائے۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے فقہاء دیکھے ہیں کہ جو مسائل اور استفتاء کا جواب دینا پسند نہیں کرتے تھے اور جب تک مجبوری نہ ہوتی، فتویٰ دینے سے بچتے رہتے، انھیں کا قول ہے کہ میں نے ایسے علماء و فقہاء کی آنکھیں دیکھی ہیں کہ ان کے پاس سوالات آتے تھے لیکن وہ جواب دینے سے بچتے تھے اور اگر انھیں سوال سے معاف کردیا جاتا تو بہت خوش ہوتے۔

عمیر بن سعید کہتے ہیں میں نے علقمہ سے ایک مسئلہ پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ عبیدہ کے پاس جاؤ، میں عبیدہ کے پاس پہونچا، انھوں نے کہا کہ علقمہ کے پاس جاؤ، میں نے کہا کہ علقمہ ہی نے بھیجا ہے، فرمایا مسروق کے پاس جاؤ، میں مسروق کی خدمت میں حاضر ہوا، ان سے دریافت کیا، فرمایا علقمہ کے پاس جاؤ، میں نے عرض کیا کہ علقمہ نے مجھے عبیدہ کے پاس بھیجا، عبیدہ نے آپ کے پاس بھیجا، فرمایا عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ

کے پاس جاؤ، میں وہاں پہونچا، ان سے دریافت کیا، انھوں نے جواب دینا نہیں چاہا، پھر لوٹ کر علقمہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری روداد کہہ سنائی، فرمایا جانتے بھی ہو، یہ بات پہلے معروف تھی کہ فتویٰ دینے پر وہی جری ہوگا جو سب سے کم علم ہوگا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو یہ چاہے کہ اس سے مسائل دریافت کئے جائیں وہ مسائل پوچھے جانے کا اہل نہیں، ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسائل پر گفتگو کر تو دی ہے، لیکن اگر مجھے ذرا بھی اس سے چارہ ہوتا تو ہرگز کچھ نہ بولتا اور جس دور میں کوفہ کا فقیہ میں ہی رہ جاؤں تو وہ بہت برا دور ہے۔

واقعہ سے پہلے فتویٰ سے احتراز:

حضرت خارجہ بن زید کے متعلق ابوالزناد فرماتے ہیں کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ کیا ایسا واقعہ ہو چکا ہے، اگر معلوم ہوتا کہ ہاں ہو چکا ہے، تب جواب دیتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ واقعہ نہیں ہوا ہے، بطور فرض کے پوچھا جا رہا ہے تو جواب نہ دیتے، ایک روایت میں یہ ہے کہ پوچھنے والے سے قسم بھی لیتے تھے۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں حضرت اُبی بن کعبؓ کے ساتھ چل رہا تھا کہ ایک آدمی نے دریافت کیا کہ چچا جان! فلاں فلاں بات کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ کیا ایسا ہو چکا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا تب جانے دو، جب ایسی کوئی بات ہو جائے تب پوچھنا۔

صلت بن راشد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤسؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ کیا ایسا واقعہ ہو چکا ہے کہ تم پوچھ رہے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں! کہنے لگے قسم کھاؤ، میں نے قسم کھائی، فرمایا کہ ہمارے اساتذہ نے

ہمیں بتایا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ نے ارشاد فرمایا کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے اس کا حکم پوچھنے کی جلدی نہ مچاؤ، ورنہ اِدھر اُدھر بہک جاؤ گے بس خاموش رہو، اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں میں ہر دور میں ایسے علماء موجود رہیں گے کہ جب ان سے واقعہ ہونے کے بعد مسئلہ دریافت کیا جائے گا تو خدا کی طرف سے انھیں حق وراستی کی توفیق ملے گی۔

اُغلوطات اور مشکل مسائل جن کا وقوع نہ ہوا ہو ان سے عالم کو اپنا دامن بچائے رکھنا ہی مناسب ہے، ایسے مسائل تو شاید کبھی وقوع پذیر نہ ہوں، لیکن لوگ بحث ونظر اور لڑائی جھگڑے میں ان کی وجہ سے الجھ کر جو علوم اہم اور ضروری ہیں، ان سے رہ جائیں گے، پھر اس بحث وجدال میں ہر شخص دوسرے کو خاطی قرار دے گا، غلطیاں تلاش کرے گا، اور بلا وجہ ایک دوسرے سے پوچھتا پھرے گا، یہ سب باتیں مکروہ وممنوع ہیں۔ ان سے دین وایمان میں کوئی نفع نہیں حاصل ہوگا، نیز سلف صالح کا یہ طریقہ نہ تھا، وہ لوگ ایک دوسرے کی خطائیں تلاش نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ غلطیوں پر گرفت کرتے رہیں، وہ لوگ عالم تھے، عاقل تھے، ان کی باتیں خیر خواہی پر مبنی ہوتی تھیں، اللہ نے انھیں علم کا بھرپور نفع دیا تھا۔

حضرت سعد بن وقاص ؓ کی روایت ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ إن أعظم المسلمين فى المسلمين جرماً رجلٌ سأل علىٰ أمرٍ لم يحرم فحرم من أجل مسألتهٖ۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کوئی ایسی بات دریافت کی جو حرام نہ تھی اور اس کے سوال کی وجہ سے حرام

کر دی گئی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛ کی روایت ہے کہ:

أن رسول الله ﷺ نهىٰ عن قيل وقال و كثرة السوال۔

رسول اللہ ﷺ نے قیل وقال اور کثرت سوال سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ثوبان ﷛ روایت فرماتے ہیں کہ:

قال رسول الله ﷺ سيكون أقوامٌ من أمتی يتغلطون فقهاء هم بعضل المسائل اولئك شرار أمتی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو فقہاء کو مشکل اور لاینحل مسائل میں الجھا کر غلطی میں مبتلا کریں گے، یہ بدترین لوگ ہوں گے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان ﷛ سے روایت ہے کہ:

أن النبی ﷺ نهىٰ عن الاغلوطات۔

نبی کریم ﷺ نے اغلوطات سے منع فرمایا ہے۔

عیسیٰ بن یونس فرماتے ہیں کہ اغلوطات ایسے مسائل ہیں جن کی حاجت نہیں ہے، ان کے متعلق کیوں اور کیسے کا سوال کیا جائے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے شریر بندہ وہ ہے جو فضول مسائل دریافت کر کر کے امت کو اندھیرے میں ڈال دے۔

حضرت علی بن ابی طالب ﷛ نے ایک روز فرمایا کہ جو چاہو پوچھو، ابن کواء نے کہا کہ حضرت! چاند میں سیاہی کیسی؟ فرمایا اللہ تمہیں ہلاک کرے ایسی بات کیوں

نہ پوچھی جس سے تمہیں دنیا وآخرت میں فائدہ پہونچتا۔ یہ رات کی مٹتی ہوئی علامت ہے۔

فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے باصرار مشکل مسائل دریافت کئے، امام نے فرمایا یہ تم دو غلاموں، دو آدمیوں کی بات کیا پوچھ رہے ہو؟ نماز اور زکوٰۃ کے باب میں کچھ پوچھو، جس سے تمہیں نفع ہو، اچھا بتاؤ روزہ دار کو احتلام ہو گیا تو کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا، فرمایا کہ بس جس چیز سے نفع ہے اسے تو پوچھتے نہیں اور دو آدمیوں اور دو غلاموں کے متعلق پوچھ رہے ہو، پھر امام صاحب نے حضرت حسن بصریؒ کے حوالے سے فرمایا کہ احتلام ہو جانے سے روزہ میں خلل نہیں پڑتا۔ حضرت جابر بن زید سے احتلام کا مسئلہ دریافت کیا گیا، تو فرمایا کہ روزہ میں کچھ نقصان نہیں البتہ آنکھ کھلنے کے بعد غسل کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر حضرات علماء خود کو بھی اور دوسروں کو بھی ان آداب کا پابند اور خوگر بنائیں، جن کے پابند ائمۂ مسلمین رہے ہیں تو خود بھی علم سے نفع اندوز ہوں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچا سکیں گے، اور تھوڑے علم میں حق تعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے اور وہ منصب امامت پر اس کی برکت سے فائز ہو سکتے ہیں۔

لاعلمی کا اعتراف:

عالم سے اگر کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم نہیں تو لاعلمی کے اظہار واعتراف میں کوئی عار وشرم نہیں محسوس کرنی چاہئے، یہی طریقہ صحابۂ کرام اور ائمۂ مسلمین کا رہا ہے، اس باب میں ان حضرات کو نبی کریم ﷺ کا اتباع حاصل ہے، کیونکہ آپ سے بھی جب کوئی ایسی بات دریافت کی جاتی جس کا علم آپ کو بذریعۂ وحی نہ ہو چکا ہوتا تو بے تکلف فرما دیتے کہ مجھے معلوم نہیں، یہ بات ہر اس شخص کے ذمے لازم ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور اس کے پاس اس کا یقینی علم نہیں ہے، بس وہ

کہہ دے کہ اللہ کو معلوم ہے، میں نہیں جانتا، ہرگز تکلف سے قیاس آرائی نہ شروع کردے، یہ بات خدا کے نزدیک بھی قابل تعریف ہے اور اہل عقل کے نزدیک بھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے پوچھا کہ سب سے عمدہ جگہ کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا، یا غالباً آپ نے سکوت فرمایا، پھر اس نے پوچھا سب سے بری جگہ کون سی ہے؟ اس پر بھی آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا، یا غالباً سکوت فرمایا، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آگئے، آپ نے ان سے پوچھا، انھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، فرمایا خدا سے پوچھ لو، انھوں نے کہا کہ میں خدا سے کوئی بات دریافت نہیں کرتا، یہ کہہ کر اتنے زور سے انھوں نے اپنے بازوؤں کو پھڑ پھڑایا کہ معلوم ہوتا تھا کہ حضور بے ہوش ہو جائیں گے (ایسا خوف خداوندی کی شدت کی وجہ سے ہوا) پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اوپر چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ تم سے محمد نے پوچھا ہے کہ سب سے اچھی جگہ کون سی ہے، تم نے لاعلمی ظاہر کی، اور تم سے پوچھا کہ سب سے بری جگہ کون ہے، تم نے اس پر بھی لاعلمی ظاہر کی، فرمایا جاؤ بتا دو کہ سب سے اچھی جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے بری جگہ بازار۔

زاذان کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ شکم مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ جگر میں کیسی خنکی ہے، مجھ سے ایک بات پوچھی گئی جو مجھے معلوم نہ تھی، میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا، اللہ جانتا ہے۔

مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص

علم رکھتا ہے وہ تو بولے، اور جو علم نہیں رکھتا وہ صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، اللہ جانتا ہے، یہ بھی علم کی ہی بات ہے کہ آدمی نہ جانے تو کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَآأَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (سورہ ص:٨٦)

تم کہہ دو کہ میں کسی معاوضہ کا طالب نہیں ہوں اور میں تکلف نہیں کرتا۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک بات دریافت کی گئی جو آپ کو معلوم نہ تھی، آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا، عطیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے میراث کا ایک سہل سا سوال کیا، فرمایا کہ میں نہیں جانتا، وہ آدمی اُٹھ کر چلا گیا، کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ بتا دیئے ہوتے، فرمایا کہ واللہ میں نہیں جانتا۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کسی صاحبزادے سے کوئی بات دریافت کی گئی، اس کا علم ان کے پاس نہ تھا، میں نے کہا کہ بڑی حیرت کی بات ہے، ایک امام ہدایت کا آپ جیسا عالم وفاضل فرزند ہو، اور اس کے پاس بھی کسی مسئلہ کا علم نہ ہو، فرمایا کہ اللہ کے نزدیک اور اللہ کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک اس سے بھی یہ زیادہ بڑی بات ہے کہ بغیر علم کے کلام کروں، یا غیر معتبر راوی کی حدیث نقل کروں۔

حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی عالم ''میں نہیں جانتا'' کہنے میں چوک جائے تو وہ اپنی قتل گاہ میں جا پہونچا۔ حضرت ابن عجلان کا قول امام مالک نقل کرتے ہیں کہ عالم جب ''لاأدری'' نہ کہہ سکا تو سمجھ لو کہ اپنے مقتل میں پہونچ

گیا، یہ روایت امام مالک سے امام شافعی نے اور ان سے امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے نقل کی ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ سے ایک شخص نے کوئی علمی بات دریافت کی، فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، اس آدمی نے کہا کہ میں آپ کی یہی بات لوگوں میں نقل کردوں کہ آپ نہیں جانتے، فرمایا کہ ہاں یہی بات بیان کردو کہ مجھے معلوم نہیں۔

جس عالم میں یہ اخلاق واحوال موجود ہوں تو سبحان اللہ، یہ وہی اوصاف ہیں جن کا پہلے ہم تذکرہ کرچکے ہیں، لیکن جس کے اوصاف واخلاق قبیح ومذموم ہوں گے وہ تو ان کی جانب التفات بھی نہ کرے گا، بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں مبتلا رہے گا، خود کو عظیم اور زبردست سمجھے گا، اس کے علم نے اس کے قلب میں کچھ اثر نہیں کیا، جس سے وہ نفع اندوز ہوتا۔ اکثر حالات میں اسکے اخلاق غافلوں اور جفاکاروں سے مشابہت رکھتے ہیں، ہم ان کی چند بری خصلتیں اور بھی ذکر کرتے ہیں۔ علماء کا نام لگا کر جو شخص ان اخلاقی فضائل سے محروم ہوگا اور ایسے رذائل میں مبتلاء ہوگا جو علماء کی شان کے لائق نہیں ہیں، اگر ایسا شخص غور وتفحص سے کام لے تو خود ہی گواہی دے گا کہ ہماری ذکر کردہ بری عادات اس کے اندر موجود ہیں اس کا انکار وہ نہیں کرسکتا، اور اللہ تعالیٰ تو ہر بھید پر مطلع ہیں۔

فکر معاش:

اس قسم کے عالم کی ایک صفت یہ ہے کہ اس کی فکر زیادہ تر معاش کے ساتھ وابستہ رہتی ہے، فقر وغربت کے اندیشہ سے ایسے مواقع میں بھی جاپڑتا ہے، جو جائز

نہیں ہوتے، جتنی روزی مل چکی ہے اس پر قانع نہیں، اور جو کچھ تقدیر سے ابھی نہیں حاصل ہوا ہے، اس کے بارے میں یہ بدگمانی کہ کس قدر تاخیر ہو رہی ہے، اس کے قلب و دماغ پر شغل دنیا ہر وقت مسلط رہتا ہے، اور ذکر آخرت محض وسوسہ کے درجے میں اس کے دل میں گزرتا ہے، دنیا کو بڑی مشقت اور حرص و آرزو سے حاصل کرتا ہے، اور آخرت کے باب میں نری تمناؤں اور ٹرخانے سے کام لینا چاہتا ہے، گناہ کرتا ہے تو اللہ سے پُر امید رہنے کو یاد کرتا ہے اور اسی پر جما رہتا ہے اور طاعت کرنی ہوتی ہے تو اپنا عجز و ضعف سوچ کر اس سے رُک جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا کے ساتھ اسے حسن ظن ہے، اور خدا کے عفو و درگزر پر اسے اعتماد ہے، جبکہ خدا نے ایسا کچھ ذمہ نہیں لیا ہے اور رزق کے باب میں جس خدا نے ذمہ لے رکھا ہے، نہ اس سے حسن ظن رکھتا ہے اور نہ اس پر بھروسہ کرتا ہے، بلکہ ہر وقت اس کا دل مضطرب اور مشغول رہتا ہے جبکہ اسے اپنے رب پر اطمینان رکھنے کا حکم ہے، موت کے ذکر پر اسے بالکل اطمینان سا رہتا ہے، حالانکہ اس وقت اضطراب ہونا چاہئے، اگر معاش کی طرف سے کوئی اندیشہ و خوف ہو تو کسی طرح اسے قرار نہیں آتا، حالانکہ خدا نے اس کی ذمہ داری لی ہے، اور اس کا اطمینان ہے کہ جتنی روزی مقدر ہے وہ مل کر رہے گی، لیکن جس چیز کا خدا نے اطمینان دلایا ہے اس پر تو اضطراب ہے، اور جس سے ڈرایا ہے اس پر بالکل اطمینان ہے، اللہ تعالیٰ کچھ دنیا عطا فرما دیتے ہیں تو اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس کا شکر تک یاد نہیں رہتا، اور مصائب پر اتنا مغموم و پریشان ہوتا ہے کہ رضا بالقضا تک کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔

اگر کوئی حادثہ یا ضرورت سامنے آجائے تو پریشان ہو کر بندوں کے پاس پہونچتا ہے اور ان سے اعانت کا طالب ہوتا ہے، اور خدا کی جانب اس وقت رجوع

ہوتا ہے جب مخلوق سے ہر طرح مایوسی ہوجاتی ہے، اگر کسی مخلوق کے قرب وتعلق کی امید ہوتی ہے تو خدا کو قطعاً بھول جاتا ہے، کسی نے اس کے ساتھ حسن سلوک کردیا تو دل کی ساری مشغولیت اسی کے دامن میں بندھ جاتی ہے، اس کا تذکرہ، اس کی محبت اور اس کی شکر گزاری، بس دن رات کا یہی مشغلہ ہوجاتا ہے اور خدا کو بالکل بھلا بیٹھتا ہے، اگر ایسے شخص پر اسے مال خرچ کرنا پڑے جو اس کی مکافات نہ کرسکے، اور محض خدا سے اس کی جزاء کی امید ہو تو تھوڑا مال خرچ کرنے میں بھی اسے گرانی ہوتی ہے اور اگر ایسا شخص ہے کہ مال خرچ کرنے سے وہ اس کا بدلہ چکائے گا یا اس سے کسی اور رُخ سے حصول دنیا کی توقع ہے، تو اس کو زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے، جس سے محبت وتعلق ہوتا ہے اس کی جھوٹی تعریفیں کرکے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے، اور جس سے بغض وعداوت ہوتی ہے اس کی ناحق مذمتیں کرکے معصیت میں گرفتار ہوتا ہے، بدگمانیوں کو یقین کا درجہ دے دیتا ہے، تہمتوں کو سچ جانتا ہے، جو شخص اپنا انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہے یا لوگوں کی مدد اسے حاصل ہے، اس پر ظلم کرنے کو غلط سمجھتا ہے، لیکن اگر کسی کا حامی وناصر بجز خدا کے کوئی نہ ہو تو اس پر ظلم کو بالکل روا رکھتا ہے، خدا کا ذکر اس پر بہت گراں اور فضول بکواس اس کو بہت آسان، اگر خوشحال ہے تو بہت خوش، بالکل غافل، بڑا ظالم، بے انتہا سرکش اور باغی، اور خوشحالی ساتھ چھوڑ دے تو اپنے فرائض منصبی تک سے بے نیاز ہوجاتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ بس اب کبھی خوشی ومسرت حاصل نہ ہوگی۔

بیمار پڑ جائے تو توبہ واستغفار اور اظہارِ ندامت کرنے لگے، اور یہ معاہدہ کہ اب کبھی گناہ نہ کروں گا، پھر تندرست ہوجائے تو فوراً عہد توڑ دے اور سابقہ حالات پر

لوٹ آئے، اگر مخلوق سے کوئی اندیشہ ہو، یا ان کی دنیا کی توقع ہو تو اپنے مولیٰ کو ناراض کر کے انھیں راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر اپنے گمان کے مطابق خدا سے خوف کرتا ہے تو مخلوق کو ناخوش کر کے خدا کو خوش کرنے کی ہمت نہیں کرتا، اپنے سے طاقتور بندوں کے شر سے خدا کی پناہ چاہتا ہے، لیکن اپنے سے کمزور مخلوق کو اپنے شر سے پناہ نہیں دیتا، غصہ کو نافذ کر کے اس کے دل کو شفا ہوتی ہے، اگر چہ اس کا رب ناراض ہو جائے، معاش میں جو لوگ اس سے برتر ہیں، ان پر نگاہ رکھتا ہے، اور ان کے لحاظ سے اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کو بہت قلیل سمجھتا ہے اور اس پر شکر گزار نہیں ہوتا، اور جو لوگ اس سے کمتر ہیں انھیں نہیں دیکھتا کہ ان کے لحاظ سے حق تعالیٰ کا شکر ادا کر سکے، فضول کاموں کی مشغولیت میں اتنا انہماک ہوتا ہے کہ نمازیں اخیر وقت تک ٹال دیتا ہے، پھر جب پڑھتا بھی ہے تو غفلت کے ساتھ، اس میں خدا کی تعظیم بالکل نہیں ہوتی، اگر امام لمبی نماز پڑھا دے تو اُکتانے لگتا ہے اور اس کی شکایتیں کرتا ہے اور اگر مختصر نماز پڑھائے تو بہت خوش ہوتا ہے اور اس کی تعریفیں کرتا ہے، اگر شدائد و مصائب میں مبتلا نہ ہو تو دعا کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، اور دعا کرتا بھی ہے تو دل دنیا ہی میں پھنسا رہتا ہے۔

جن علماء کو علم سے فائدہ نہیں پہونچا ان کے یہی یا اسی قسم کے احوال ہوتے ہیں۔ پھر انھیں اخلاق کے ساتھ جاہ و رُتبہ کی ہوس بھی ساتھ لگ جاتی ہے اور اس کے دل میں یہ امنگ ہوتی ہے کہ بادشاہوں اور دنیا داروں کی مجالست اختیار کرے، تاکہ جس عیش و راحت میں وہ لوگ ہیں یعنی عمدہ مکانات، اچھی سواریاں، بہترین خدام، نرم و نازک ملبوسات، گداز بستر اور لذیذ کھانے، ان میں اس کی شرکت ہو سکے، چاہتا

ہے کہ اس کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم رہے، اس کی بات سنی جائے، اس کا حکم مانا جائے، پھر دیکھتا ہے کہ یہ آرزوئیں اس وقت تک تکمیل کو نہیں پہونچ سکتیں جب تک کوئی عہدہ حکومت کا نہ حاصل کیا جائے، یہ سوچ کر عہدوں کی جستجو میں لگ جاتا ہے، پھر جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ دین کا سرمایہ برباد کئے بغیر عہدہ کا حصول مشکل ہے تو یہ بھی کر ڈالتا ہے، اس کے بعد وہ بادشاہوں، اس کے حاشیہ نشینوں اور اس کے خدام اور نوکر چاکر کے لئے اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرلیتا ہے، ان پر مال خرچ کرتا ہے، رشوتیں دیتا ہے، ان کے منکرات اور گناہوں سے چشم پوشی کرتا ہے، بلکہ ان کے اعمالِ بد کی خوبصورت توجیہ وتاویل کرتا ہے تا کہ اس کا وقار ان کے دلوں میں قائم ہوجائے، اس حالت پر جب ایک مدت گزر جاتی ہے اور اس کے دل میں یہ برائیاں مستحکم ہوجاتی ہیں تب کہیں جا کر اسے حکومت کا کوئی عہدہ ملتا ہے۔ اس طرح وہ بغیر چھری کے ذبح ہوجاتا ہے، لیکن یہ شخص اپنے اوپر ان امراء وملوک کا احسان عظیم سمجھتا ہے اور اپنے اوپر ان کی شکر گزاری لازم کرلیتا ہے تا کہ وہ خفا ہوکر اسے معزول نہ کردیں۔

اب وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حق تعالیٰ ناراض ہیں یا راضی، یتیموں، بیواؤں، فقراء ومساکین، اوقاف مسلمین کے اور دوسرے ایسے اموال جن کا عمومی نفع مسلمانوں کے حق میں ہونا چاہئے، خود بھی کھاتا ہے اور منشی، پیش کار اور چپراسی وغیرہ کو بھی کھلاتا ہے، حرام کھاتا ہے اور حرام کھلاتا ہے، اور اپنے اوپر بددعا کرنے والوں کی گنتی بڑھاتا رہتا ہے، ایسا شخص برباد ہو جس کے علم نے اسے یہ سب سکھایا، یہی عالم ہے جس سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے، اور پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اسی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة عالم لم ينفعه علمه۔

بلاشبہ قیامت کے دن بدترین عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم نے اسے فائدہ نہیں بخشا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أللٰھم إنی أعوذ بک من علمٍ لاینفع ومن قلبٍ لایخشع ومن نفسٍ لا تشبع ومن دعاءٍ لا یسمع۔

اے اللہ! میں ایسے علم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو سود مند نہ ہو، اور ایسے قلب سے جس میں خشوع نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو آسودہ نہ ہوتا ہو، اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

أللٰھم إنی أسئلک علماً نافعاً و أعوذ بک من علمٍ لاینفع.

اے اللہ! میں آپ سے علم نافع کا طالب ہوں، اور ایسے علم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، جو نافع نہ ہو۔

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر فوراً اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے آج رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے، تم بھی یہ دعا کرتے رہو۔ **تم الکتاب والحمد للہ وحدہٗ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد النبی الامی وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ أجمعین ۔**

اِعجازُ اَحمدُ اَعظَمِیُ

مدرسہ دینیہ، شوکت منزل، میاں پورہ، غازی پور

۱۲؍ رجب ۱۴۰۳ھ

☆☆☆☆☆☆